

ماہنامہ
شعاعِ حسن
نومبر ۲۰۱۷ء
لکھنؤ

قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ
بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور روشن کتاب



نور ہدایت فاؤنڈیشن، حسینہ غفران مااب، چوک، لکھنؤ-۳

R.N.I NO. UPBIL/2004/13526
Postal Regd. No. SSP/LW/NP-75/2017-19 Dispatch Date: 2 & 6 of Every Month

Annual Rs. 200/- November 2017 Per Copy- Rs.25/-

شुआ-ए-अमल

हिन्दी, उर्दू मासिक पत्रिका लखनऊ



خلاق مضامین ماہر فن نواب مولانا سید مہدی حسین نقوی ماہر اجتہادی
ولادت ۱۲۶۳ھ وفات ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۰۷ء



Lucknow

NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION

Imambara Ghufra Maab, Chowk, Lucknow-3 (U.P.) INDIA, Ph.:0522-2252230

ISSN 2456-8384

تبلیغ

Per Copy 25/-
Annual 200/-

نور ہدایت فاؤنڈیشن کا اسلامی، علمی اور تحقیقی

ماہنامہ
شعاع عمل
لکھنؤ
نومبر ۲۰۱۷ء

زیر سرپرستی

قائد ملت حجة الاسلام والمسلمین

پروفیسر مولانا سید کلب جواد نقوی صاحب قبلہ (امام جمعہ لکھنؤ)

عزت آف نواب رضا صاحب، بھوپال ✽ عزت آف سید احمد عباس نقوی صاحب، ممبئی

سید مصطفیٰ حسین نقوی 'اسیف جاسی'

قائم مہدی نقوی تہذیب نگردی

آصف عباس نوگانونی

ترسیل زر کا پتہ

نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران آباد، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ-۳

Phone No: 0522-2252230

Mobaile No: 08736009814 -09335996808

پبلشر- پرنٹر، سید مصطفیٰ حسین نقوی نے مالک ایس۔ کلب جواد نقوی کے لئے نظامی پریس و کٹوریہ اسٹریٹ، پوزٹ حسین مارکیٹ چوک، لکھنؤ (یو۔ پی)
سے چھوڑ کر نور ہدایت فاؤنڈیشن، امام باڑہ غفران آباد، مولانا کلب حسین روڈ، چوک، لکھنؤ (یو۔ پی) سے شائع کیا۔ ایڈیٹر: سید مصطفیٰ حسین نقوی



جلد ۱۲
شمارہ ۵

قیام مؤسسہ
۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ / ۱۶ جولائی ۲۰۱۳ء

اجراء جدیدہ
۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ / جولائی ۲۰۱۴ء

نگراں: م۔ ر۔ عابد گولہ گنج، لکھنؤ

مجلس مشاورت

- ✽ پروفیسر علامہ علی محمد نقوی، علی گڑھ
- ✽ دکتہ مہدی خواجہ چیری، ایران
- ✽ مولانا حسن ظفر نقوی، کراچی
- ✽ کمپین سکندر رضوی، لکھنؤ
- ✽ پروفیسر سید حسین مال الدین اکبر، الہ آباد
- ✽ ڈاکٹر ارشد علی جعفری، لکھنؤ
- ✽ شاعر اہل بیت رضا سرسوی
- ✽ سید سیف تقی نقوی، دہلی
- ✽ محمد عالم صاحب، حسین آباد، لکھنؤ

فہرست مضامین

(نومبر ۲۰۱۷ء / صفر المظفر ۱۴۳۹ھ)

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ
۱	(اداریہ)	م۔ر۔عابد	۵
۲	شہدائے کربلا (قسط۔۴)	آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی تقی نقوی	۶
۳	کتاب کافی کی ایک حدیث مبارک کا حل	خطیب اعظم علامہ سید سبط حسن نقوی فاطر جاسی	۲۵
۴	عورت اسلام کی روشنی میں (قسط۔۴)	اسد العلماء مولانا سید اسد علی صاحب الہ آبادی	۲۷
۵	مرثیہ: درحال حضرت عباسؑ (بند ۲۰/۱)	دعبل ہند مولانا فرزند حسین ذاکر اجتہادی	۳۱
۶	خبرنامہ	(ادارہ)	۵۸

مجلس ادارت

ڈاکٹر امانت حسین نقوی

حیدر عباس نقوی، الہ آباد

عمیل شمس، لکھنؤ

واصف احمد نقوی، سمیر

مہدی رضا

شاہد علی اعظمی

ذوالفقار حیدر اعظمی

الحاج مرزا ہمایوں قدر

ڈاکٹر عارف عباس

ریحان عالم، لکھنؤ

سلمان حسین، لکھنؤ

ہنت زہراء ندی الہندی

الحاج فرید مہدی رضوی

ظفر حسین رضوی بیورو چیف ممبئی

عرفان حیدر، بیورو چیف مدھیہ پردیش

کیف تقی نقوی، بیورو چیف دہلی

R.N.I. NO.

UPBIL/2004/13526

Postel Regd. NO.

SSP/LW/NP-75/2017-2019

WEBSITE:

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

E_mail:

noorehidayat@yahoo.com

noorehidayat@gmail.com

زرسالانہ

ایک سال کے لئے: -/200

پانچ سال کے لئے: -/800

لائف ممبر شپ: -/5000

ماہنامہ

‘شعاع عمل‘

(ہندی وارو)

‘خاندان اجتہاد نمبر‘، روزنامہ نقیب لکھنؤ

اور نور ہدایت فاؤنڈیشن کے تمام مطبوعات ڈاؤن لوڈ کرنے کے لئے

لاگ آن کریں ہماری ویب سائٹ

www.noorehidayatfoundation.org

www.naqeeblucknow.com

ماہنامہ ‘شعاع عمل‘، لکھنؤ

نومبر ۲۰۱۷ء

عزاداری: مرکز اتحاد

زیر نظر شمارہ کو محرم نمبر کا توسیعی شمارہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ دن بھی محرم کی توسیع ہیں۔ خود ہم اور ہماری خلقت بھی اسی توسیع کا صدقہ ہے۔ ہم پیدائشی، فطری عزادار ہیں۔ ہماری عزاداری میں خلقتی و خلقتی دونوں عنوان شامل ہیں۔ اسے ہم اپنا امتیاز سمجھتے ہیں۔ ایک حد تک ہمیں یہ سمجھنے کا حق پہنچتا بھی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ رشتہ، یہ مساوات (Equator) لازمی و کافی (Necessary and Sufficient) نہیں ہے۔ جدید ریاضی (Modern Maths) کی اس فلسفیانہ قسم کی اصطلاح استعمال کرنے کے لئے معاف کیجئے گا۔ (یعنی جس طرح دو جمع (+) تین پانچ ہوتے ہیں اور پانچ دو جمع تین ہوتے ہیں۔ ایسی مساوات دو طرفہ ہوتی ہے اسے لازمی و کافی کہتے ہیں۔) عزاداری سے تو ہم ہیں لیکن ہم ہی سے عزاداری نہیں ہے۔ اس میں اپنے اپنے نوعی اعتبار سے پوری کائنات شامل ہے۔ یہ عزاداری کی ہمہ گیری اور آفاقیت (بلکہ اسے بین الاقوامیت کے وزن پر بین الاقوامیت یا Universality کہنا چاہئے ہے)۔ اس یونیورسٹی کی کم سے کم حد انسانیت ہے کیونکہ اب تک معلوم ظاہری مخلوقات میں صرف انسان ہی عزادار ہو سکتا ہے۔ یہی بات ہے۔

در حسینؑ پہ ملتے ہیں ہر خیال کے لوگ
یہ اتحاد کا مرکز ہے آدمی کے لئے

ظاہر ہے یہ اتحاد اٹل ہے۔ لیکن کیا کہا جائے کہ آج کل خود ہماری صفوں میں بہت ہی سخت تلاطم بپا ہے (خدا کرے میرے کان، آنکھ جھوٹے ہوں) جو اس اتحاد کا یکسر منافی ہے۔ اس سے دل دماغ اتنا بوجھل ہے کہ کچھ زیادہ کہہ بھی نہیں سکتا۔ بس اتنا کہنے کی جسارت کی اجازت چاہتا ہوں کہ ہمیں کھلے دل سے عزاداری کی آفاقیت کو تسلیم کرنا چاہیے۔ عزاداری مذہب و ملت، قوم و قبیلہ، مسلک و مکتب فکر، نظریات و خیالات جغرافیائی سرحدوں، سیاسی سماجی معاشی حد بندیوں سے آزاد ہے۔ تبھی تو ”یہ اتحاد کا مرکز ہے آدمی کے لئے“۔ عزاک کی حد تک اتحاد فطری بھی ہے۔ اسی لئے تو دنیا کا دستور بھی ہے کہ کہیں ”غنی“ ہو جائے تو سوگ تو ایک محدود حلقہ تک رہتا ہے لیکن دکھ اور ہمدردی کا اظہار عام ہوتا ہے، ایسے موقع پر اکثر ذاتی یا نظریاتی اختلافات بھلا دئے جاتے ہیں، اگر اختلاف بھلائے نہ بھی جائیں تو وقتی طور پر معرض التوا میں ڈال دیا جاتا ہے، دکھے دلوں کے زخموں پر نمک چھڑکنے والے نہیں کے برابر ملیں گے۔ آخر میں دعا ہے کہ رب کریم ہمیں عزاداری میں خلوص کی توفیق عطا فرمائے، روح عزاداری کے ساتھ ہمارے جذبہ کو تقویت بخشنے، اور (کم از کم عزاداری کی حد تک) ہماری صفوں میں اتحاد و یکجہتی قائم رکھے۔

م۔ر۔عابد

شہدائے کربلا

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی

اس خط کی نوعیت پر میں نے امامیہ مشن کی سب سے پہلی کتاب میں مفصل تبصرہ کیا ہے۔^(۱)

مؤلف 'البصار العین' نے دھوکا کھایا ہے کہ انھوں نے سعید بن عبد اللہ حنفی کے ہاتھ جانے والا خط یہی قرار دیا ہے جو شبث بن ربعی وغیرہ کا بھیجا ہوا تھا۔^(۲)

حضرت سید الشہداء نے ان خطوط کا جواب ان ہی دونوں نمائندوں کے سپرد کیا جن میں سے ایک سعید بن عبد اللہ حنفی تھے۔ آپ کے خط میں ان کے نام کا حوالہ بھی مذکور تھا۔ آپ نے لکھا تھا۔^(۳)

”من حسین بن علی الی
الملائم المومنین والمسلمین
اما بعد فان هانئا و سيعدا قدما
علی بکتبکم و کانا اخر من قدم
علی من رسلکم وقد فهمت کل
الذی اقتصصتم۔۔ الخ“

یہ خط ہے حسین بن علیؑ کا جماعت مومنین و مسلمین کی طرف، ہانی اور سعید میرے پاس تمہارے خطوط لے کر وارد ہوئے اور یہ دونوں سب سے آخری تمہارے نمائندے تھے جو میرے پاس پہنچے میں نے تمہارے خطوط کو دیکھا اور ان کے مضمون پر مطلع ہوا۔

(۱) قاتلان حسینؑ کا مذہب، طبع چہارم، ص ۶۶-۶۹

(۲) البصار العین، ص ۱۲۵ (۳) طبری، ج ۶، ص ۱۹۷

(۶۵) سعید بن عبد اللہ حنفی

کوفہ کے معزز شیعوں میں سے تھے اور شجاعت اور عبادت کی صفت سے موصوف تھے۔

نمائندگی

جب اہل کوفہ نے جلسہ کر کے امام حسینؑ کو دعوت دینے کا فیصلہ کیا تو حضرت کے نام پہلا خط عبد اللہ بن سبیح ہمدانی اور عبد اللہ بن وال کے ہاتھ بھیجا گیا۔ پھر دودن کے عرصہ میں ترپن (۵۳) عرضداشتیں مختلف اشخاص کی طرف سے لکھی گئیں۔ وہ قیس بن مسہر صیداوی اور عبد الرحمن بن عبد اللہ بن کدن ارجی اور عمارۃ بن عبید سلولی کے ہاتھ روانہ کی گئیں، سب کے آخر میں ایک خط لکھا گیا جس کا مضمون یہ تھا:

”جلدی تشریف لائیے، لوگ آپ کے منتظر ہیں، بہت جلدی کیجئے“۔ یہ خط ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبد اللہ حنفی کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔^(۱)

یہ شیعان کوفہ کی طرف کا سب سے آخری وفد تھا۔ اس کے علاوہ ایک خط شبث بن ربعی اور جبار بن ابجر وغیرہ کا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ کھیتیاں لہلہا رہی ہیں، میوے رسیدہ ہیں، چشمے پر آب ہیں اور لشکر آپ کی مدد کے لئے تیار ہے۔

(۱) طبری، ج ۶، ص ۱۹۷

حالات میں آئے گا کہ وہ لے کر امام کے پاس گئے تھے۔

امام کا خطبہ اور اس کا جواب

شب عاشور جب امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے سب کو اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

”تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ اس لئے کہ ان لوگوں کو مجھ سے کام ہے تم سے نہیں ہے۔“

تو اسے سن کر پہلے تو بنی ہاشم نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا۔ پھر انصار کی نوبت آئی تو مسلم بن عوسجہ نے تقریر کی جو ان کے حالات میں پیش ہو چکی ہے۔^(۱)

اس کے بعد سعید بن عبد اللہ خنی کھڑے ہوئے اور یہ جوش و ولولہ سے بھرے ہوئے الفاظ کہے:

”واللہ لا نخلیک حتی یعلم اللہ
انا قد حفظنا غیبة رسول اللہ فیک
واللہ لو عملت انی اقتل ثم احیا ثم
احرق حیاً ثم اذر یفعل ذلک بی
سبعین مزة ما فارتک حتی القی
حمامی دونک فکیف لا افعل
ذلک وانما ہی ہی قتلة واحدة ثم
هی الکرامة الی لا انقضاء لہا۔“

”خدا کی قسم! ہم آپ کا ساتھ ہرگز نہیں
چھوڑیں گے جب تک کہ خدا کے سامنے
سبکدوش نہ ہوں اس ذمہ داری سے جو
رسول اللہ کے بعد ہم پر آپ کے متعلق عائد
ہوتی ہے۔ بخدا اگر میں قتل کیا جاؤں، پھر

اس کے بعد آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ میں
تمہاری جانب اپنے چچا زاد بھائی اور معتد عزیز مسلم بن
عقیل کو بھیجتا ہوں۔ یہ تمہارے حالات سے مجھ کو مطلع
کریں گے۔“

دونوں آدمیوں کو اس خط کے ساتھ حضرت مسلمؑ
کے آگے روانہ کیا اور قیس بن مسہر اور عبد الرحمن اس کے بعد
مسلم کی ہمراہی میں روانہ ہوئے۔^(۱)

جلسہ میں تقریر

جب حضرت مسلمؑ کوفہ میں وارد ہوئے اور مختار
کے مکان میں فروکش ہوئے اور شیعان کوفہ آپ کے پاس
مجمع ہوئے اور آپ نے امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا جس
کے بعد عابس بن ابی شیبہ شاکری نے تقریر کی جو ان
کے حالات میں آئے گی اور حبیب بن مظاہر نے اس کی
تائید کی جس کا تذکرہ ان کے حالات میں آچکا۔^(۲)

اس کے بعد سعید بن عبد اللہ خنی کھڑے ہوئے
اور انہوں نے تائید کی، ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ تھا
کہ ہم دوسروں کے ذمہ دار نہیں مگر اپنی جانب سے ہر طرح
امداد کے لئے تیار ہیں۔^(۳)

اس کے بعد جب جناب مسلمؑ کے لئے حالات
میں انقلاب ہوا اور جنگ کی صورت پیش آئی، تو کوئی تذکرہ
سعید بن عبد اللہ کا دکھائی نہیں دیتا۔ البصار العین میں ہے کہ
حضرت مسلمؑ نے آپ کو خط دے کر امام حسینؑ کی خدمت میں
روانہ کیا تھا جس کے بعد وہ امام ہی کے ساتھ رہے۔^(۴)
ممکن ہے جناب مسلمؑ نے متعدد خطوط لکھے ہوں
کیونکہ ایک خط کا تذکرہ عابس بن ابی شیبہ شاکری کے

(۱) البصار العین، ص ۱۲۶ (۲) شہدائے کربلا حصہ اول ص (۱۰۱)

(۳) طبری، ج ۶ ص ۱۹۹ (۴) البصار العین، ص ۱۲۶

(۱) شہدائے کربلا حصہ اول ص ۱۱

یہاں تک کہ میں نماز ظہر پڑھوں۔ یہ دونوں اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور حضرت نے نماز خوف ادا کی۔“

بے مثال جانبازی اور شہادت

ظہر کی نماز کے بعد جنگ شدت کے ساتھ ہونے لگی۔ دشمن کی فوج آگے بڑھتی ہوئی امام سے بہت نزدیک آگئی اس موقع پر سعید بن عبد اللہ نے عجب طرح جاں نثاری کے فرائض کو انجام دیا۔ وہ امام کے سامنے سپر بن کر کھڑے ہو گئے اور جو تیر داہنے یا بائیں طرف سے آتا تھا اسے وہ اپنے جسم پر لینے لگے یہاں تک کہ زخموں کی کثرت سے زمین پر گرے اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔^(۱) اسی بے مثال وفاداری اور جان بازی کا نتیجہ ہے کہ زیارت شہداء میں ان پر ممتاز الفاظ میں سلام کیا گیا:

”السلام علی سعید بن عبد اللہ الحنفی القائل للحسین و قد اذن له فی الانصراف لا واللہ لا نخلیک حتی یعلم اللہ ان اقد حفظنا غیمة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیک واللہ لو اعلم۔“

انی اقتل ثم احیی ثم احرق ثم ابعث حیاً ثم اقتل ثم احرق ثم اذری و یفعل ذلک بی سبعین مرّة ما فارقک حتی القی حمامی دونک و کیف افعّل ذلک و انما ہی موتة او قتلة

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۵۲

زندہ ہوں، پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں، پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے اور یہی میرے ساتھ ستر (۷۰) مرتبہ سلوک ہو تب بھی میں آپ سے جدا نہ ہوں گا یہاں تک کہ آخری موت مجھے آپ کے قدموں پر آئے پھر ایسا کیوں کرنے کروں گا جبکہ یہ صرف ایک دفعہ کا قتل ہونا ہے اور پھر وہ عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔“

نماز ظہر

نماز کا وقت آچکا تھا۔ اسی کی مہلت مانگنے کے سلسلہ میں حبیب بن مظاہر درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور اس کے بعد بھی جنگ ملتوی نہیں ہوئی اور مہلت نہیں دی گئی۔ ایسے موقع کے لئے شرع نے نماز خوف کا حکم دیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ فوج کے دو (۲) حصے ہو جائیں ایک دشمن کے ساتھ مقابلہ کرے اور دوسرا نماز میں شرکت کرے، امام نماز کو طول دے۔ یہاں تک کہ پہلا حصہ اپنی نماز کو تخفیف کے ساتھ تمام کر کے جائے اور دشمن کے سامنے کھڑا ہو تو پہلا حصہ فوج کا آکر نماز میں شریک ہو۔ امام نے اپنی اس مختصر فوج کی تقسیم اسی طرح کی۔ علامہ مجلسی نے بحار میں لکھا ہے:

”قال الحسین لزہیر بن القین و سعید بن عبد اللہ تقدما امامی حتی اصلی الظہر فتقدما امامہ فی نحو من نصف اصحابہ حتی صلی بہم صلوۃ الظہر۔“

”امام نے زہیر بن قین اور سعید بن عبد اللہ حنفی سے فرمایا کہ تم دونوں آگے بڑھو

واحدة ثم هي الكرامة التي لا
انقضاء لها ابدًا فقد لقيت
حمامك و واسيت امامك و
لقت من الكرامة في دار المقامة
حشرنا الله معكم في
المستشهدين و رزقنا مرافقتكم
في اعلى عليين۔“

”سلام سعید بن عبداللہ حنفی پر جنہوں نے
حسینؑ سے کہا: اس وقت جب آپ نے انہیں
واپس جانے کی اجازت دی کہ خدا کی قسم ہم
آپ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا
جان لے کہ ہم نے رسول اللہ کے بعد آپ
کے متعلق اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا۔

بخدا اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا
پھر زندہ کیا جاؤں گا پھر جلایا جاؤں گا پھر
زندہ ہوں گا پھر قتل ہوں گا پھر جلایا جاؤں گا
پھر میری خاک ہوا میں منتشر کر دی جائے گی
یہی میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا تب بھی میں
آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ آخر میں
آپ ہی کے قدموں پر موت آئے پھر میں
اس وقت کیوں کر آپ کا ساتھ چھوڑوں
جب کہ یہ ایک دفعہ کا مرنا یا قتل ہونا ہے پھر
وہ عزت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔“
بیشک تم نے جان دی اور امام کے ساتھ
جاں بازی کا فرض انجام دیا۔ اور بہشت کی
عزت کو حاصل کیا۔ خدا ہم کو تمہارے ساتھ
شہداء کے زمرہ میں محسوب کرے اور بلند

ترین درجات آخرت میں تمہاری رفاقت
نصیب کرے۔

ابن شہر آشوب نے سعید بن عبداللہ کی شہادت کو
عام طور پر مبارز طلبی کے عنوان سے لکھا ہے۔ وہ کہتے
ہیں جاج بن مسروق کے بعد سعید بن عبداللہ حنفی میدان
جنگ میں آئے اور رجز پڑھی، جنگ کی اور شہید
ہوئے۔^(۱)

(۶۶) زہیر بن القین بن قیس الجلی ابتدائی حالات

اشراف عرب میں سے کوفہ کے باشندہ، بہادر
تھے اور لڑائیوں میں شریک ہو چکے تھے۔ جمل اور صفین کی
لڑائیوں کے بعد سے مسلمانوں میں ”عثمانی اور ”علوی“
کے نام کی تفریق پیدا ہو گئی تھی۔ جو لوگ امیر معاویہ کے
طرفدار تھے ان کو ”عثمانی“ کہا جاتا تھا۔ اور جو جناب امیرؓ
کی طرف تھے وہ ”علوی“ کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔
زہیر عام طور پر عثمانی جماعت سے متعلق سمجھے جاتے تھے
اور اہلبیت کے ساتھ کوئی خاص تعلق نہ رکھتے تھے۔

حج سے واپسی

زہیر نے ۶۰ھ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ
حج کیا۔ واپسی میں امام حسینؑ کا ساتھ ہو گیا۔ زہیر اگرچہ
امام کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے تھے لیکن اتنا معلوم ہوتا
ہے کہ وہ آپ کی خاندانی شخصیت و عظمت سے مرعوب
ضرور ہیں۔ یعنی انہیں اس کا خیال تھا کہ اگر حسین بن علیؑ مجھ
سے کوئی خواہش کریں گے تو مجھ سے رد کرنا اس کا ممکن نہ
ہوگا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ امام حسینؑ کے قافلہ سے دور دور

(۱) مناقب، ج ۴ ص ۹۵

کہا کہ جو شخص تم میں سے میرے ساتھ آنا چاہے وہ میرے ساتھ آئے، ورنہ یہ آخری ملاقات ہے۔

میں تم سے واقعہ بیان کروں۔ بلخج کی لڑائی میں جب ہم لوگوں کو فتح ہوئی اور اموال غنیمت حاصل ہوئے تو سلمان باہلی نے کہا کہ تم لوگ خوش ہو رہے ہو اس فتح اور غنیمت کے مال سے؟ جب جو انان آل محمدؐ کی نصرت میں جہاد کرنا تو اس سے زیادہ خوش ہونا ان فوائد کے لحاظ سے جو حاصل ہوں گے۔ اچھا میں اب تم سب سے رخصت ہوتا ہوں۔^(۱)

خوش نہادی اور ضمیر کی صفائی داعی حق کی پر خلوص آواز میں بجلی کی طاقت پیدا کر دیتی ہے۔ بیشک یہ زہیر کے نفس کی پاکیزگی تھی کہ وہ اگرچہ ماحول اور دوسرے خارجی اسباب کی بنا پر ایک دوسری جماعت سے متعلق تھے لیکن سچی ہدایت کے مختصر جملوں ہی نے ان کو ولولہ اور جوش ایمانی سے بھر دیا۔ ان کو وہ پیشین گوئی بھی یاد آگئی جو رسولؐ کی زبانی سن کر بہت سے صحابہ و تابعین کی زبانوں پر آیا کرتی تھی۔

بلخج کی لڑائی جس کا حوالہ دیا گیا ہے حضرت عثمان کے عہد حکومت میں ہوئی ہے، اس موقع پر فوج کے سردار سلمان بن ربیعہ باہلی تھے اور وہ اس مہم کے سر ہونے کے بعد وہیں قتل ہوئے۔ اسی کے متعلق عبدالرحمن باہلی شاعر نے کہا ہے:

وَإِنَّا لَنَا قَبْرَيْنِ قَبْرُ بَلْخَجِ
وَقَبْرُا بَارِضِ الصِّينِ يَالْكَ مِنْ قَبْرِ
”ہمارے خاندان کی دو خاص قبریں

رہتے تھے۔ امام حسینؑ اگر منزل سے آگے بڑھ گئے تو زہیرؓ نے منزل پر قیام کر لیا۔ اور اگر امامؑ کسی منزل میں ٹھہر گئے تو زہیرؓ نے اپنے قافلہ کو آگے بڑھا دیا۔ یہ صرف اسی لئے تھا کہ امامؑ سے ملاقات نہ ہونے پائے۔

امامؑ سے ملاقات

اتفاق سے ایک منزل پر ایسا ہوا کہ زہیرؓ کو بھی اسی جگہ قیام کرنا پڑا جہاں امامؑ فروکش تھے۔ امامؑ کے خیمے ایک طرف برپا تھے، زہیرؓ کے خیمے دوسری جانب برپا ہو گئے۔ ان لوگوں نے خورد و نوش کا تہیہ کیا اور دسترخوان بچھا۔ ابھی کھانے میں مصروف ہی تھے کہ امام حسینؑ کا قاصد آگیا اور سلام کیا اس نے زہیرؓ بن قین سے کہا کہ مجھے آپ کے پاس ابو عبد اللہ الحسینؑ بن علیؑ نے بھیجا ہے اور آپ کو بلایا ہے۔“

جواندیشہ دل میں تھا وہ سامنے آگیا۔ ہاتھوں سے نوالے چھوٹ گئے اور سناٹا چھا گیا۔

زہیرؓ کی زوجہ ایک شریف خاندان کی عورت دہم بنت عمرو تھی، اس کا بیان ہے کہ میں نے جو زہیرؓ کو متردد دیکھا تو میں نے کہا ”سبحان اللہ! فرزند رسولؐ تم کو بلوائیں اور تم جانے میں تامل کرو۔ ارے جا کر سنو تو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پھر واپس چلے آنا۔

زہیرؓ گئے اور تھوڑی دیر میں خوش خوش واپس آئے۔ چہرہ ان کا دمک رہا تھا۔ انہوں نے کہا: ”ہمارا خیمہ“ اسباب اور سامان سب امام حسینؑ کے قافلہ کی طرف پہنچا دیا جائے۔“ خیمہ اکھاڑا گیا اور پہنچایا گیا۔

اپنی زوجہ سے کہا کہ میں تم کو طلاق دیتا ہوں، تم اپنے قبیلہ میں چلی جاؤ کیونکہ میں نہیں چاہتا میرے سب سے تمہیں کوئی ناگوار امر درپیش ہو۔ پھر اپنے ساتھیوں سے

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۲۵-۲۲۴

ہیں ایک وہ جو بلخچر میں ہے اور دوسری

چین کے قبرستان میں۔ کیا کہنا اس قبر کا۔“

یہاں پہلی قبر سے مراد سلمان باہلی کی قبر اور دوسرے سے ”قتیبہ“ بن مسلم باہلی کی قبر مراد ہے۔

ابن اثیر کے بیان کے مطابق اس لڑائی میں سلمان فارسی بھی موجود تھے۔ بہت ممکن ہے کہ مذکورہ پیشین گوئی حضرت سلمانؓ کی زبان سے نکلی ہو اور وہ سلمانؓ باہلی کی جانب منسوب ہوگئی۔^(۱)

امامؑ کا خطبہ اور زہیر کا پر خلوص جواب

”ذو حسم“ کے مقام پر جب حرؓ کا لشکر امامؑ کی مزاحمت کے لئے آچکا ہے تو حضرت نے اپنے اصحابؓ کے سامنے خطبہ ارشاد کیا جس میں حمد و ثنائے باری کے بعد فرمایا:

”انہ قد نزل من الامر ما
قد ترون و انّ الدنيا قد تغیرت و
تنکرت و ادبر معروفها
واستمرت جذا فلم یبق منها
الاصابة کصابة الاناء و
خسيس عیش کالمرعی الوبیل
الاترون انّ الحق لا یعمل به و انّ
الباطل لا یتناهی عنه یرغب
المؤمن فی لقاء الله محققا فانی لا
اری الموت الا شهادة ولا الحیوة
مع الظالمین الا برما۔“

”صورت حال جو پیش آئی ہے وہ تم
دیکھ رہے ہو اور یقیناً دنیا کا رنگ بدل گیا

(۱) البصار لعین، ص ۱۰۰

ہے اور اس کی نیکی رخصت ہو چکی ہے اور
اس میں کچھ رہ نہیں گیا ہے سوائے تھوڑے
حصّہ کے جو پانی کے بہنے کے بعد برتن
میں بچ رہتا ہے اور ایک پست زندگی مثل
زہریلی گھانس کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق
پر عمل نہیں ہوتا اور باطل سے علیحدگی نہیں
اختیار کی جاتی۔ اس صورت میں مؤمن یقیناً
خدا کی ملاقات کا آرزو مند ہوتا ہے،
میرے نزدیک تو موت کی صورت میں
شہادت کی سی نعمت ہے اور زندہ رہنا ان
ظالموں کے ساتھ وبال جان ہے۔“

اس خطبہ کا مقصد صرف اصحابؓ کو انجام سے مطلع
کرنا اور ان کے عزائم میں پختگی پیدا کرنا ہی ہو سکتا ہے۔
ضرورت تھی کہ اس تقریر کو سن کر اصحابؓ کی
جانب سے بھی اپنے اخلاص نیت اور پختگی عزائم کا کوئی
اظہار ہو۔

زہیر گواس کا احساس تھا کہ میں اس جماعت میں
تازہ شریک ہوا ہوں، اس لئے مجھے ایسے مواقع پر سبقت
کرنے کا پورا حق حاصل نہیں ہے۔ لیکن ان کا قلبی جوش و
ولولہ ان کو سکوت کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ امامؑ کی
تقریر ختم ہوتے ہی وہ کھڑے ہو گئے اور اصحاب امامؑ سے
ان الفاظ میں تقریر کی اجازت مانگی کہ:

”تکلمون ام اتکلم“ ”آپ لوگ کچھ کہنا
چاہتے ہیں یا میں کہوں؟“

یہ اخلاق و مروت سے بالکل بعید تھا کہ انہیں روکا
جاتا۔ سب نے کہا کہ نہیں تم تقریر کرو۔

زہیرؓ نے حمد و ثنائے الہی کے بعد کہا:

۱۲

کر رکھا ہے۔^(۱)

شب عاشورامامؑ کے خطبہ کا جواب

دسویں شب جب امام حسینؑ نے اصحاب کو جمع کیا ہے اور انہیں اپنی بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کیا ہے، اس کے جواب میں بنی ہاشم کے بعد پہلے مسلم بن عوسجہ اور سعید بن عبد اللہ حنفی نے تقریریں کیں جو ان کے حالات میں درج ہو چکی ہیں۔ پھر زہیر بن القین نے تقریر کی اور کہا:

”وَاللّٰهُ لَوَدِدْتُ اَنِّی قَتَلْتُ ثَم
نَشَرْتُ ثَم قَتَلْتُ حَتّٰی اَقْتُلَ كَذَا
الْف قَتْلَةً وَاِنَّ اللّٰهَ يَدْفَعُ بِذَلِكَ
الْقَتْلَ عَنْ نَفْسِكَ و عَنْ اَنْفُسِ
هَؤُلَاءِ الْفَيْتَةِ مِنْ اَهْلِ بَيْتِكَ۔“

”بخدا میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دفعہ
قتل ہوں پھر زندہ ہوں پھر قتل ہوں یوں ہی
ہزار دفعہ ہو۔ لیکن آپ اور نیز آپ کے
خاندان کے یہ جو ان قتل ہونے سے محفوظ رہ
جائیں۔“^(۲)

سرداری کا منصب

صبح عاشور جب امامؑ نے اپنی مختصر فوج کو ترتیب
دیا تو زہیر بن قین کو میمنہ کا افسر اور حبیب بن مظاہر کو میسرہ
کا سردار مقرر کیا تھا۔^(۳)

اس سے اگر حبیب کے مقابلہ میں ان کی ترجیح نہ
بھی ثابت ہو تب بھی ایک نمایاں درجہ ان کے لئے ضرور
ثابت ہوتا ہے۔

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۳۷ (۲) طبری، ج ۶ ص ۲۳۹

(۳) طبری، ج ۶ ص ۲۴۱

انہوں نے تقریر کے آخر میں کہا تھا کہ تم ایسے
لوگوں کو قتل کرتے ہو جو عبادت گزار ہیں اور پچھلے پہر سے
اٹھ کر خدا کا ذکر کرتے ہیں۔

اس موقع پر عزرہ بن قیس نے فوج دشمن میں
سے یہ فقرہ کہا کہ حبیب! تم اپنی تعریف ہر موقع پر کرتے
ہو کہ میں بڑا عبادت گزار ہوں۔

زہیر کو اس بے موقع گستاخی پر غصہ آ گیا، کہنے
لگے:

پھر اس میں شک کیا! بیشک حبیب کے نفس کو خدا
ہی نے قابل تعریف بنایا ہے اور اس کی رہنمائی کی ہے۔
اے عزرہ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور خدا کا واسطہ دیتا
ہوں کہ تم اس جماعت کے ساتھ شریک نہ ہو جو گمراہی کی
حمایت کر رہی ہے اور پاک نفوس کو قتل کرتی ہے۔

زہیر کی آواز تعجب کے ساتھ سنی گئی۔ عزرہ نے
انہیں پہچان کر کہا:

”زہیر! تم تو اس گھرانے کے شیعہ نہیں تھے۔ تم
تو عثمانی گروہ میں سے تھے!“

زہیر نے کہا: ”اب اس وقت میرے یہاں کھڑے
ہونے سے تو تم سمجھو کہ میں شیعہ ہوں، خدا کی قسم میں نے
نہ حسینؑ کو کبھی خط لکھا تھا، نہ کوئی قاصد بھیجا تھا اور نہ نصرت کا
 وعدہ کیا تھا، لیکن راستہ میں اتفاق سے میرا اور ان کا ساتھ
ہو گیا۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو رسول اللہؐ یاد آئے اور
ان کی قرابت کا ان سے خیال آیا اور مجھے معلوم ہوا کہ وہ
دشمنوں کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ بس میں نے طے کر لیا کہ
مجھے ان کی مدد کرنا چاہئے اور میں ان کی جماعت میں داخل
ہو جاؤں اور اپنی جان ان پر فدا کروں خدا و رسولؐ کے اس
حق کو ادا کرنے کے لئے جسے تم لوگوں نے ضائع و برباد

جنگ کے میدان میں موعظہ

ترتیب لشکر اور صف بندی کے بعد جب امامؑ اپنا وہ تاریخی خطبہ فرما چکے جس میں آپ نے اپنے خاندانی خصوصیات اور بیگناہی اور اس کے ساتھ فوج دشمن کے ظالمانہ رویہ پر دلائل قائم کئے تھے تو زہیر بن قین میدان میں نکلے، گھوڑے پر سوار، سر سے پاؤں تک اسلحہ جنگ سے آراستہ، انہوں نے کہا:

”یا اهل الكوفة نذار لكم من عذاب الله نذار انّ حقا على المسلم نصيحة اخيه المسلم و نحن حتى الان اخوة و على دين واحد و ملّة واحدة ما لم يقع بيننا و بينكم السيف و انتم للنصيحة منا اهل فاذا وقع السيف انقطعت العصمة و كنا امة و انتم امة ان الله قد ابتلانا و اياكم بذرية نبيه محمّدؐ لينظر ما نحن و انتم عاملون انا ندعوكم الى نصرهم و خذلان الطاغية عبيد الله بن زياد فانكم لا تدركون منهما الا بسوء عمر سلطانهما كلّهما ليسملان اعينكم و يقطعان ايديكم و ارجلكم و يمثلان بكم و يرفعانكم على جذوع النخل و يقتلان اما ثلكم و قراءكم امثال حجر بن عدی و اصحابه و هانی بن عروة و اشباهه۔“

”کوفہ والو! ڈرو خدا کے عذاب سے ڈرو۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے اور ہم ابھی تک بھائی بھائی ہیں اور ایک دین کے پیرو ہیں اور ایک ملت پر ہیں جب تک کہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار سے مقابلہ ہو نہ جائے اور اس وقت تک ہماری جانب سے نصیحت اور فہمائش کے مستحق ہو۔ ہاں جب تلوار کی نوبت آجائے تو پھر ذمہ داری ختم۔ پھر ہم ایک امت اور تم دوسری امت۔ یقیناً خدا نے ہمارا اور تمہارا امتحان لیا ہے اپنے نبی محمد مصطفیٰؐ کی اولاد کے بارے میں تاکہ وہ دیکھے کہ ہم اور تم کیا کرتے ہیں۔ ہم تم کو دعوت دیتے ہیں کہ ان کی مدد کرو اور سرکش عبيد اللہ بن زياد کا ساتھ چھوڑ دو کیونکہ تم ابن زياد اور اس کے پہلے اس کے باپ سے ان کی تمام مدت سلطنت میں نہیں پاؤ گے سوائے برائی کے، وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھرواتے رہے ہیں، تمہارے ہاتھوں پیروں کو قطع کراتے اور تمہارے اعضائے جسم کو جدا کراتے اور تم کو سویلیوں پر چڑھاتے رہے ہیں اور تمہارے منتخب لوگوں کو اور حفاظ قرآن جیسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی اور ہانی بن عروہ اور ان کے ایسے لوگوں کو قتل کراتے رہے ہیں۔“

کوفہ والے حقیقت کے طالب ہوتے تو اس

نصیحت سے اثر بھی لیتے وہ سب سمجھتے تھے مگر وقتی طمع اور دنیا کی ہوس ان کی آنکھوں پر پردے ڈالے ہوئے تھی۔ انہوں نے زہیر گوگالیاں دینا شروع کر دیں اور ابن زیاد کی تعریف کرنے لگے اور کہا ہم اس وقت تک دم نہ لیں گے جب تک تمہارے سردار (حسینؑ) اور ان کے تمام ساتھیوں کو قتل نہ کر دیں یا گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جائیں۔“

زہیرؑ اب بھی خاموش نہ ہوئے۔ اور ہدایت کرتے رہے، سرداران فوج کو ہر اس طرح کی تقریر سے یہ خطرہ محسوس ہوتا تھا کہ کہیں کسی کے دل پر اثر نہ ہو جائے۔ شمر نے جب دیکھا کہ زہیرؑ کسی طرح خاموش نہیں ہوتے تو زہیرؑ کو تیر مارا اور کہا: ”بس خاموش۔ خدا تیری زبان کو خاموش کرے۔“ زہیرؑ کو شمر کی اس بیجا مداخلت سے غصہ آگیا۔ انہوں نے سخت لہجہ میں شمر کو مخاطب کیا اور کہا کہ ”میں تجھ سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں، تو تو جاہل ہے۔ تیرے لئے عذاب جہنم کی خوشخبری ہی کافی ہے۔“

شمر نے کہا: دیکھو! ”تھوڑی دیر میں تم اور تمہارے سردار سب قتل ہوا چاہتے ہیں۔“ زہیرؑ نے کہا:

”افبالموت تخوفنی فواللہ الموت معہ احب الی من الخلد معکم۔“

”تو مجھے موت سے ڈراتا ہے۔ خدا کی قسم حسینؑ کے ساتھ مرنا مجھے تمہارے ساتھ دائمی زندگی حاصل کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔“

اس کے بعد پھر وہ لشکر کی طرف مخاطب ہو گئے

اور بلند آواز سے کہنے لگے:

”عباد اللہ لا یغرنکم من دینکم هذا الجلف الجافی و اشباہہ فواللہ لا تنال شفاعة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم اہر اقواءماء ذریتہ و اہل بیتہ و قتلو من نصرہم و ذب عن حریمہم۔“

”اے اللہ کے بندو! اس بد معاش ظالم اور اس کے ایسے لوگوں کے فریب میں نہ آؤ۔ خدا کی قسم پیغمبرؐ خدا کی شفاعت ان لوگوں کو نصیب نہیں ہو سکتی جو ان کی اولاد اور اہلبیتؑ کا خون بہائیں اور ان کے اعوان و انصار کو قتل کریں۔“

امامؑ زہیرؑ کے مقابلہ میں فوج دشمن کا رویہ دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے شمر کا تیر لگانا اور سخت کلامی کرنا بھی دیکھا۔ اس کے بعد انہیں زہیرؑ کا میدان میں رہنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ آپ نے کسی سے پکار کر کہلوایا۔“

”اقبل فلعمری لئن کان مؤمن آل فرعون نصح لقومہ و ابلغ فی الدعاء لقد نصحت لہؤلاء و ابلغت لو نفع النصح و الابلاغ۔“

”اگر مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی اور دعوت حق کے فرض کو انجام دیا تھا تو بخدا تم نے اس جماعت کی نصیحت کر دی اور تبلیغ کا حق ادا کر دیا مگر نصیحت و تبلیغ کا کوئی اثر بھی تو ہو۔“

اس آواز کو سن کر زہیرؓ واپس چلے آئے۔^(۱)

نموداری اور شہرت

زہیرؓ بن قین حسینی فوج کے ان نمودار اشخاص میں سے تھے جن کا نام فوج دشمن کے لوگوں میں بھی پوری طرح مشہور تھا اور اسے امتیاز حاصل تھا۔ چنانچہ لڑائی شروع ہو گئی اور فوج مخالف سے یسار اور سالم میدان جنگ میں آئے اور مبارز طلب کیا انصار امامؑ میں سے عبداللہ بن عمیر کلبیؓ مقابلہ کے لئے باہر نکلے۔ ان دونوں نے نام و نسب پوچھا۔ معلوم ہوا۔ کہا ہم تم کو نہیں پہچانتے۔ ہمارے مقابلہ کے لئے زہیر بن القین یا حبیبؓ بن مظاہر یا بریر بن خضیر کو آنا چاہئے۔^(۲)

کارنامہ شجاعت

”حملہ اولیٰ“ کے بعد، جس میں پچاس آدمی فوج حسینی میں سے ایک ہی مرتبہ شہید ہو گئے تھے، لشکر مخالف کی ہمتیں بہت بڑھ گئی تھیں اور کوشش تھی کہ اب دم کے دم میں اس مہم کو سر کر دیا جائے۔ اس لئے مختلف صورتوں سے حملے کئے جا رہے تھے مگر امام حسینؑ کی بے نظیر سیاست حرب اور ان کے اصحاب کی بے مثال شجاعت ہر حملہ کو ناکامیاب بنا دیتی تھی۔^(۳)

آخر میں شمر نے مخصوص امام حسینؑ کے خیمہ پر حملہ کیا اور اپنا نیزہ خیمہ پر مار کر کہا کہ لاؤ آگ لاؤ، میں اس خیمہ کو اس کے رہنے والوں سمیت جلا دوں۔ خیمہ میں ایک شور گریہ و فریاد کا بلند ہو گیا۔

اس وقت زہیرؓ بن قین ہی تھے جنہوں نے اپنے دس بہادر ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور شمر اور اس کے ساتھ

کی فوج کو خیموں کے پاس سے دور ہٹا دیا اور ابو عزرہ ضبابی کو جو شمر کا خاص آدمی اور اس کے قبیلہ سے تھا قتل کر دیا۔

دشمن کی فوج نے جو اپنے ایک ممتاز سپاہی کو قتل ہوتے دیکھا پوری جوش و خروش سے ان دس آدمیوں پر ٹوٹ پڑے اور سخت خونریز لڑائی ہوئی مگر ان بہادروں نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا جس کے نتیجہ میں دشمن کو شکست ہوئی اور زہیرؓ واپس ہوئے۔^(۱)

حرّ کی امداد

جب حبیبؓ بن مظاہر شہید ہو گئے تو حرّ میدان جنگ میں آئے اور رجز پڑھی۔ زہیرؓ بن قین حرّ کے پاس میدان جنگ میں آگئے اور حرّ کے ساتھ مل کر جنگ کرنا شروع کی اور سخت جنگ کی۔ حالت یہ تھی کہ جب ایک نے حملہ کیا اور وہ دشمنوں میں گھر گیا تو دوسرا حملہ کر کے اسے فوج کے حلقہ سے نجات دیتا تھا۔ یہی صورت کچھ دیر تک قائم رہی۔ آخر میں پیادوں کی فوج نے حرّ کو گھیر کر قتل کر دیا۔^(۲)

ظہر کی نماز

’بحار‘ میں ہے کہ امامؑ نے زہیرؓ بن قین اور سعیدؓ بن عبداللہ حنفی سے فرمایا تم دونوں آگے بڑھو یہاں تک کہ میں نماز ظہر پڑھ لوں۔ یہ دونوں آدمی اصحاب کی تقریباً نصف جماعت کے ساتھ آگے بڑھے اور حضرت نے نماز خوف ادا کی۔

آخری جنگ اور شہادت

ایک انسان کی قوت و طاقت کہاں تک وفا کر سکتی ہے ملاحظہ تو کیجئے۔ زہیرؓ نے ایک دفعہ ظہر کے پہلے امامؑ سے

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۵۱

(۲) طبری، ج ۶ ص ۲۵۲

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۳ (۲) طبری، ج ۶ ص ۲۴۵

(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ’مخار بہ کر بلا‘ ص ۳۷-۳۳

زہیرؓ امامؓ کی نصرت کے لئے حضرت کے ساتھ ہوئے تو سلمانؓ نے بھی ان کا ساتھ دیا اور روز عاشورؓ ظہر کے بعد شہید ہوئے۔^(۱)

(۶۸) عمرو بن قرظہ بن کعب الانصاری

نام و نسب

عمرو بن قرظہ بن کعب بن عمر بن عائد بن زید مناۃ بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج الانصاری۔

ان کے والد قرظہ بن کعب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے تھے۔ جنگ احد اور اس کے بعد کی لڑائیوں میں شریک ہوئے تھے۔ ۲۳ھ میں زمانہ عمر بن الخطابؓ میں رہے ان کے ہاتھوں پر فتح ہوا۔ امیر المومنین علیؓ بن ابیطالبؓ نے اپنی خلافت کے دور میں ان کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا۔ پھر جب آپ جنگ صفین کے لئے جانے لگے تو ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور کوفہ کی حکومت ابو مسعود بدری کے سپرد کی۔ قرظہ سب لڑائیوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہے اور آپ ہی کے زمانہ خلافت میں کوفہ میں انتقال کیا۔

امیر المومنین نے نماز جنازہ پڑھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ معاویہ کے ابتدائی زمانہ میں جب مغیرہ بن شعبہ کوفہ کا حاکم تھا انتقال کیا۔^(۲)

میں نے ان کے حالات تاریخ 'وفیات الشیعہ' میں ۱۵۷ھ میں درج کئے ہیں۔ ان کے دو فرزند تھے عمرو اور علی۔ کربلا میں عمرو امام حسینؓ کی طرف تھے۔ غالباً بڑے یہی تھے، اس لئے کہ ان کے والد قرظہ بن کعب کی

مدافعت کے سلسلہ میں شمر کی فوج سے جنگ کی اور وہ سخت جنگ جس میں ان کا زندہ بچنا ان کی شجاعت کا ایک کارنامہ ہی تھا پھر حر کے ساتھ شریک ہو کر جنگ کی۔

پھر اب امامؓ کی نماز کے موقع پر تھوڑی تعداد کے ساتھ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کیا۔

یقیناً ان لڑائیوں میں ان کے دست و بازو جواب دے چکے ہوں گے اور ممکن ہے ان کے کچھ زخم بھی آئے ہوں۔ نماز ظہر کے بعد دشمن بہت قریب آ گئے تھے۔ سعید بن عبد اللہ خنی شہید ہو چکے اس طرح جس کا حال آپ سن چکے ہیں۔ اب زہیر بن قین نے آخری جنگ کی اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے:

انا زہیر وانا ابن القین

اذ ودھم بالسیف عن حسینؓ

”میں زہیر ہوں اور قین کا فرزند ہوں۔ میں اپنی تلوار سے ان کو حسینؓ کے پاس سے دور کروں گا۔“

یوں ہی تھوڑی دیر تک وہ شمشیر زنی کرتے رہے۔ آخر کثیر بن عبد اللہ شعبی اور مہاجر بن اوس دو شخصوں نے حملہ کیا جن کے ہاتھ سے وہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔^(۱)

زیارت شہداء میں ان پر مخصوص الفاظ میں سلام کیا گیا ہے۔

(۶۷) سلمان بن مضارب بن قیس الجبلی

زہیر بن قین کے چچا زاد بھائی تھے۔ زہیرؓ ہی کے ساتھ ۶۰ھ میں حج کو گئے تھے۔ واپسی میں جب

(۱) تنقیح المقال، ج ۲ ص ۲۸

(۲) استیعاب بر حاشیہ اصابہ، مطبوعہ مصر، ج ۲ ص ۲۶۵ و ۲۶۷

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۵۲-۲۵۳

کنیت ان ہی کے نام پر ابو عمرو تھی۔ اور زیادہ تر عرب میں کنیت بڑے فرزند کے لحاظ سے ہوا کرتی تھی۔ ان کا چھوٹا بھائی علی لشکر عمر سعد میں تھا۔

ابتدائی حالات

عمرو بن قرظہ کوفہ ہی میں قیام رکھتے تھے۔ وہ امام کی خدمت میں کر بلا میں پہنچے۔ ابتدائی تاریخوں میں محرم کی، جب ابھی جنگ قرار نہیں پائی تھی۔^(۱) ممکن ہے یہ صحیح ہو کہ وہ چھٹی تاریخ محرم کی تھی۔^(۲)

امام نے ان کو عمر سعد کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم مجھ سے شب کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان میں ملاقات کرو۔^(۳)

جاں نثاری

نماز ظہر کے وقت جب تمام اصحاب میں شہادت کا جذبہ تیز ہو گیا تھا اور شیعہ امامت کے پروانے جانبازی میں ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے عمرو بن قرظہ نے جنگ کرنا شروع کی۔ اور وہ کہہ رہے تھے:

قد علمت کتیبة الانصار

انی ساحمی حوزة الذمار

ضرب غلام غیر نکس شاری

دون حسین مہجتی و داری

”(یعنی) تمام انصار کی جماعت جانتی ہے کہ میں ذمہ داری کے حدود کی حفاظت کروں گا۔ ایسے جوان مرد انسان کی طرح شمشیر زنی جو پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ حسینؑ پر میری جاں اور میرا گھر بار سب فدا ہو۔^(۴)

شیخ ابن نما نے لکھا ہے کہ ان کا مقصود اس سے عمر سعد پر تعریض ہے۔ اس لئے کہ جب امام نے اسے اپنی جانب آنے کی دعوت دی ہے تو اس نے کہا کہ مجھے اپنے گھر کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ کھوڈا لا جائے گا۔

کچھ دیر تلوار چلانے کے بعد پھر عمرو امام کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ جو تیر آتا اسے اپنے اوپر روکتے اور جو وار ہوتا خود سپر بن جاتے تھے۔ آخر زخموں سے چور ہو گئے۔ امام کی طرف مخاطب ہو کر کہا: ”کیوں فرزند رسول! میں نے فرض کو ادا کیا؟“ حضرت نے فرمایا: ”ہاں! تم جنت میں میرے آگے جاؤ گے۔ رسول خدا کو میرا سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میں بھی عنقریب آتا ہوں۔“ بہادر جانباز زخموں کی کثرت سے زمین پر گرے اور جاں بحق تسلیم ہوا۔^(۱)

ان کا بھائی علی بن قرظہ جو فوج عمر سعد میں تھا، صف سے باہر نکلا اور اس نے امام کو ناشائستہ الفاظ میں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور ورغلا کر قتل کر دیا۔ امام نے فرمایا کہ خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اس کی ہدایت کی اور گمراہی میں تو تجھے چھوڑ رکھا ہے۔

اس نے کہا: ”خدا مجھے قتل کرے اگر میں تمہیں قتل نہ کروں یا خود ہلاک ہوں۔“ یہ کہہ کر حملہ کیا۔ نافع بن ہلال مرادی نے آگے بڑھ کر اسے نیزہ لگایا جس سے وہ گر گیا مگر پھر علاج کے بعد اس کا زخم اچھا ہو گیا۔^(۲) عمرو بن قرظہ انصاری پر زیارت شہداء میں سلام موجود ہے۔

(۱) البصار لعین، ص ۹۲

(۲) طبری، ج ۶ ص ۲۳۸

(۱) البصار لعین، ص ۹۲ (۲) تنقیح المقال، ج ۲ ص ۳۳۶

(۳) طبری، ج ۶ ص ۲۳۵ (۴) طبری، ج ۶ ص ۲۳۸

سپہر کا شانی نے ان کا نام عمرو بن قرطہ لکھا ہے^(۱) جو غلط ہے۔

(۶۹) نافع بن ہلال جملی

نام و نسب اور قبیلہ

نافع بن ہلال بن نافع بن جمل بن سعد العشیرہ بن مذجج^(۲)۔

عام طور سے لوگوں کی زبان پر اور نیز کتب مقاتل میں ”ہلال بن نافع جملی“ کا ذکر کیا جاتا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔^(۳)

”قبیلہ مراد“ کی ایک شاخ ”قبیلہ مذجج“ ہے اسی کا ایک شعبہ ”جمل“ ہے جس کی طرف نافع بن ہلال کی نسبت ہے۔ ہلال بن نافع ان کے باپ کا نام تھا جن کی موجودگی واقعہ کربلا میں ثابت نہیں ہے۔

ہلال کی مشہور روایت وہ شب عاشور کا واقعہ ہے جو دمعہ ساکبہ میں مذکور ہے۔ امام کا تار کی شب میں خیمہ سے نکلنا اور میدان میں جانا اور ہلال کا ساتھ ساتھ چلنا اور امام کا ہلال کو اپنے اور نیز دوسرے شہداء کے محل قتل کو دکھلانا، پھر واپس آ کر جناب زینب کے خیمہ میں جانا اور ہلال کا درخیمہ پہ کھڑے رہنا اور مخدرہ علیا کا امام سے کہنا کہ آپ نے اپنے اصحاب کا امتحان بھی لے لیا ہے؟ اور ہلال کا اصحاب کو جا کر اس کی اطلاع دینا اور ان سب کا درخیمہ پر آنا اور اطمینان دلانا۔

لیکن جب ہلال کا وجود ہی کربلا میں ثابت نہیں ہے تو اس روایت کی حقیقت معلوم۔

پھر ایک ہلال کی روایت وہ ہے جس میں حضرت سید الشہداء کی تشنگی اور ہلال کا عمر سعد کی اجازت سے پانی پلانے کے ارادہ سے جانا اور اس طرف امام کا شہید ہو جانا مذکور ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہلال عمر سعد کی فوج میں سے کوئی شخص ہے مگر اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔ زیارت شہداء میں جو تحفۃ الزائر میں مذکور ہے ہلال کا کوئی تذکرہ نہیں ہے لیکن نافع بن ہلال کا ذکر موجود ہے۔

”السلام علی نافع بن ہلال البجلی المرادی۔“ سپہر کا شانی نے جو اس زیارت کو نقل کیا ہے اس میں ہے:-

”السلام علی نافع بن ہلال بن نافع البجلی المرادی۔“^(۱)

علامہ ابن شہر آشوب نے بھی زہیر بن قین کی شہادت کے بعد نافع بن ہلال ہی کی جنگ کا تذکرہ کیا ہے۔^(۲)

”بجلی کی لفظ یقیناً کتابت کی غلطی ہے اس لئے کہ قبیلہ مراد کی شاخ ”بجیلہ“ نہیں ہے وہ خثعم کا شعبہ ہے جس سے زہیر بن قین تھے۔ اور مراد کا شعبہ ”جمل“ ہے جس سے نافع بن ہلال تھے۔

خصوصیات

وہ اپنے قبیلہ کے بڑے سردار اور بہادر شخص تھے، حافظ قرآن بھی تھے اسی لئے تذکرہ حفاظ شیعہ میں بھی ان کے حالات درج کئے گئے ہیں۔^(۳)

امیر المومنین کے اصحاب میں سے تھے اور احادیث

(۱) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۱۴ (۲) مناقب، ج ۴ ص ۹۵

(۳) تذکرہ حفاظ شیعہ حصہ اول، ص ۱۵۹

(۱) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۷۲

(۲) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۶۶ (۳) ابصار العین، ص ۸۹

کے حامل تھے۔ وہ حضرت کے ساتھ جمل، صفین اور نہرواں کی لڑائیوں میں شریک بھی ہوئے تھے۔^(۱)

ابتدائی واقعات

نافع کوفہ سے امام کی روانگی عراق کی اطلاع پا کر روانہ ہوئے اور امام سے راستے میں جا کر ملحق ہوئے۔ وہ اپنا ایک گھوڑا جس کا نام ”کامل“ تھا، کوفہ میں چھوڑ گئے تھے۔ اور ہدایت کر گئے تھے کہ وہ اس کے بعد ان کے پاس پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ ”عذیب الجانات“ میں عمرو بن خالد صیداوی، مجمع بن عبداللہ عاندی، جنادہ بن حارث سلمانی وغیرہ پانچ آدمیوں کا جو قافلہ امام کے پاس پہنچا ہے اس کے متعلق تصریح ہے کہ:-

”یجنبنون فرسالنا نافع بن ہلال

یقال له الکامل۔“

”یہ لوگ اپنے ساتھ ایک کوتل گھوڑا

نافع بن ہلال کا لئے ہوئے تھے جس کا نام

’کامل‘ تھا“^(۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خود اس قافلہ کے ساتھ نہ تھے۔ وہ اس کے پہلے امام کے پاس آچکے تھے، اس وقت جب جناب مسلم کی خبر شہادت بھی نہ آئی تھی۔^(۳)

امام کے خطبہ کا جواب

جب امام علیہ السلام سے حر کے لشکر سے ملاقات ہوئی اور حضرت نے ”ذو جسم“ میں وہ خطبہ پڑھا جو زہیر کے حالات میں گزر چکا ہے اور زہیر قین اس کے جواب میں تقریر کر چکے تو نافع کھڑے ہوئے اور کہا:

”یا ابن رسول اللہ انت تعلم ان

(۱) البصار للعین، ص ۸۶ (۲) طبری، ج ۶ ص ۲۳۰

(۳) البصار للعین، ص ۸۶

جدک رسول اللہ لم یقدر ان،
یشرب الناس محبته ولا ان
یرجعوا الی امرہ ما احب وقد کان
منہم، منافقون یعدونہ بالنصرو
یضمرون له الغدر یلقونہ باحلی
من العسل و یخلفونہ بامر من
الحنظل حتی قبضہ اللہ الیہ وان
اباک علینا قد کان فی مثل ذلک
فقوم قد اجمعوا علی نصرۃ و
قاتلوا معہ الناکثین و القاسطین
و المارقین و قوم خالفوہ حتی اتاہ
اجلہ و مضی الی رحمۃ اللہ و
رضوانہ وانت الیوم عندنا فی مثل
تلک الحالۃ فمن نکث عہدہ و
خلع نیتہ فلن یضر الا نفسه واللہ
مغن عنہ فسر بنا ارشدا معافی
مشرقان شئت و ان شئت
مغربا فواللہ ما اشفقنا من قدر اللہ
ولا کرہنا لقاء ربنا فانا علی نیاتنا
و بصائرنا نوالی من والاک و
نعادی من عاداک۔“

”فرزند رسول! آپ کو معلوم ہے کہ
آپ کے جد بزرگوار سے، یہ ممکن نہیں ہوا
کہ لوگوں کو اپنی محبت سے سیراب کر دیں،
اور وہ آپ کی اس طرح اطاعت کرنے لگیں
جس طرح آپ چاہتے تھے اور آپ کے
ساتھ والوں میں بہت سے منافق تھے جو

”خرج الى الحسين عليه السلام حين
اتي فلقيه في الطريق بعد وصوله
عذيب الهجانات وهو الذي قام
بعد خطبة الحسين عليه السلام عند
تضييق الحر عليه و نطق بما هو
منقول في كتب السير مما يرضى
الله و رسوله و اظهر الثبات على
نصرتہ۔“

”وہ امام حسینؑ کے پاس پہنچنے کے لئے
کوفہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ
کے پاس ”عذیب الہجانات“ میں پہنچے اور
یہی وہ ہیں جو امام حسینؑ کے خطبہ کے بعد
جب حر نے امامؑ سے مزاحمت کی ہے،
کھڑے ہوئے تھے اور وہ تقریر کی تھی جو
کتب سیر میں مذکور ہے جس سے خدا اور
رسولؐ خوشنود ہوئے ہوں گے اور حضرت کی
نصرت پر ثبات و استقلال کا اظہار کیا۔“

یہ اسی خطبہ کا حوالہ ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے۔
لیکن یہ خطبہ ”عذیب الہجانات“ پہنچنے سے پہلے ہے۔ اس
لئے یہ درست نہیں ہو سکتا کہ وہ امامؑ کے پاس اس منزل
میں پہنچے۔ حقیقت وہی ہے کہ اس منزل میں ان کا خالی گھوڑا
آیا ہے اور وہ خود اس کے بہت پہلے آچکے تھے۔

نہر پر جنگ

جب عمر سعد کی جانب سے نہر پر پہرے بٹھا
دئے گئے اور امامؑ اور ان کے اصحابؓ پر پانی بند کر دیا گیا،
اس طرف پیاس کا انتہائی غلبہ ہوا تو امامؑ نے اپنے بھائی
ابو الفضل العباسؑ کو پانی لانے پر مامور کیا۔ یہ غالباً آٹھویں

آپ سے نصرت کا وعدہ کرتے تھے اور
دماغ میں غداروں کا خیال مضمحل رکھتے تھے۔
وہ باتیں ایسی کرتے تھے جو شہد سے زیادہ
شیریں ہیں اور کردار میں مخالفت کرتے
تھے ایسی جو انتہائی تلخ تھی، یہاں تک کہ
رسول اللہؐ کا انتقال ہوا۔ آپ کے والد
بزرگوار حضرت علیؑ کو بھی اسی صورت سے
دوچار ہونا پڑا۔ کچھ لوگ آپ کی نصرت پر
متفق ہوئے اور آپ کے ساتھ رہ کر ناکشیں
و قاسطین و مارقبین (جمل صفین اور نہروان
والوں) سے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے
مخالفت کی یہاں تک کہ ان کی وفات ہوئی
اور آج ہمارے نزدیک آپ کو وہی صورت
درپیش ہے لہذا جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا
اور نیت کو خراب کرے گا وہ خود اپنا برا
کرے گا اور خدا آپ کو اس سے لا پرواہ
کردے گا، اس لئے کہ بخدا ہم کو خدا کے
مقررہ فیصلہ سے کوئی اندیشہ نہیں ہے اور نہ
اپنے رب کی ملاقات (موت) سے ہم کو
کوئی کراہت ہے۔ ہم اپنی نیتوں اور
اعتقادوں پر قائم ہیں، موالات رکھتے ہیں
اس شخص سے جو آپ کے ساتھ موالات
رکھے اور دشمن ہیں اس کے جو آپ سے
دشمنی کرے۔“

اس کے بعد بریڈ نے تقریر کی جو ان کے
حالات میں آئے گی۔^(۱)

علامہ مامغانی نے لکھا ہے:^(۲)

(۱) البصار لعین، ص ۸۷ (۲) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۶۶

تھا اور کوئی اثر محسوس نہ ہوتا تھا۔ مگر اس کے بعد وہ زخم مہلک ثابت ہوا اور وہ شخص ہلاک ہو گیا۔ اصحاب امامؑ پانی لے کر واپس ہو گئے۔^(۱)

بریر کے پانی لانے کی روایت جو مشہور ہے اُس کی اصلیت بظاہر یہی ہے۔

امامؑ سے حملہ کی مداخلت

عمر بن قریظہ کے شہید ہونے کے بعد اُن کا بھائی علی بن قریظہ جو فوج عمر بن سعد میں تھا صف سے باہر نکلا اور امامؑ کو ناشائستہ الفاظ میں مخاطب کر کے کہنے لگا کہ: ”تم نے میرے بھائی کو گمراہ کیا اور فریب دے کر قتل کر دیا۔“ حضرت نے فرمایا کہ ”خدا نے تیرے بھائی کو گمراہ نہیں کیا بلکہ اُن کی تو ہدایت کی۔ ہاں تجھے گمراہی میں چھوڑ رکھا ہے۔“ جاہل بد بخت شخص نے کہا: ”تو سہی جو میں تمہیں قتل کروں یا خود ہلاک ہوں۔“ یہ کہہ کر امامؑ پر حملہ کیا۔ یہ دیکھ کر نافع بن ہلال سامنے آ گئے اور نیزہ مار کر اُسے گرا دیا۔ اُس کے ساتھی اُسے اٹھا کر لے گئے اور پھر علاج کے بعد وہ اچھا ہو گیا۔^(۲)

مقابلہ

ظہر کے بعد نافع بن ہلال نے جنگ شروع کی۔ وہ یہ جرز پڑھ رہے تھے:

”انا الجملی انا علی دین علی۔“

”میں قبیلہ جمل کا شخص ہوں۔ میں علیؑ کے دین پر ہوں۔“ ایک شخص جس کا نام مزاحم بن حریش تھا۔ فوج مخالف سے باہر نکلا، اس نے کہا: ”میں عثمان کے دین پر ہوں۔“ نافع نے کہا ”تو شیطان کے دین پر ہے“ پھر حملہ

یا نویں شب کا ذکر ہے۔ جناب عباسؑ تیس (۳۰) سوار اور بیس (۲۰) پیادوں کے ساتھ بیس (۲۰) مشکیزے پانی کے لئے لے کر آگے بڑھے اور نہر کے قریب پہنچے۔ نافع بن ہلال جملی نے علم اپنے ہاتھ میں لیا اور سب کے آگے ہو گئے۔ عمرو بن حجاج زبیدی نے جو نہر کا محافظ تھا ٹوکا اور کہا: ”کون ہے جو نہر پر جاتا ہے؟“ نافع بن ہلال نے نام بتلایا۔ عمرو بن حجاج قبیلہ ”زبیدہ“ سے تھا جو مذحج اور مراد کی ایک شاخ ہے اور ”جمل“ بھی مراد کی شاخ۔ اس لئے نافع نے اپنا نام بتایا اور قبیلہ کا پتہ دیا۔ اس نے کہا: ”آنے کا سبب؟“ کہا: ”اسی پانی کے پینے کو جس سے تم نے ہمیں روک رکھا ہے۔“ عمرو نے کہا: ”پیو تم شوق سے تمہیں پینا گوارا ہو“ نافع نے کہا: ”میں تو خود پیوں گا نہیں در صورتیکہ حسینؑ اور ان کے سب اصحابؑ پیاسے ہیں۔“ یہ سن کر فوج آگے بڑھی اور کہا: ”یہ تو ممکن ہی نہیں کہ یہ لوگ سیراب ہوں۔ ہم یہاں مقرر اسی لئے کئے گئے ہیں کہ ان کو پانی پینے سے مانع ہوں۔“ نافع ان لوگوں سے گفتگو کرنے آگے بڑھے اور اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم جلدی مشکیزے پانی سے بھر لو! پیادے تیزی سے بڑھے اور انہوں نے مشکیزے پر کرلیں۔ ادھر نگہبانوں کی فوج آگے بڑھی۔ جناب عباسؑ نے اور آپ کے ساتھ نافع بن ہلال نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹا دیا اتنی دیر میں وہ لوگ جو مشکیزے لئے ہوئے تھے ساحل سے اوپر آ گئے تھے۔ جنگ آزمابہادروں نے ان سے کہا کہ تم خیموں کی طرف چلو اور خود وہیں کھڑے رہے۔ پاسبانوں کی فوج نے پھر بڑھ کر حملہ کیا اور کچھ جنگ ہوئی۔ اس موقع پر نافع بن ہلال نے عمرو بن الحجاج کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو قبیلہ ”صداء“ سے تھانیزہ لگایا۔ بظاہر واراو چھا

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۳۵-۲۳۴

(۲) طبری، ج ۶ ص ۲۳۸

کر کے اُسے قتل کر دیا۔^(۱)

تیراندازی

نافع تیراندازی میں بڑے مشاق تھے۔ انہوں نے اپنے تیروں کے سو فار پر اپنا نام لکھ دیا تھا اور تیروں کو زہر میں بجھا لیا تھا۔ تیر لگانا شروع کئے اور بارہ آدمیوں کو لشکر مخالف سے قتل کیا اس کے علاوہ بہت سوں کو زخمی کیا۔

گرفتاری اور شہادت

فوج دشمن نے اُن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور مارنا شروع کیا یہاں تک کہ دونوں بازو اُن کے شکستہ ہو گئے اور وہ گرفتار کر لئے گئے۔ شمر کچھ سپاہیوں کے ساتھ اُن کو پکڑ کر عمر سعد کے پاس لے گیا۔ اُس نے کہا: ”نافع! یہ تم نے اپنے نفس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟“

نافع نے کہا:

”میرے ضمیر سے تو خدا واقف ہے۔“ اُن کی داڑھی پر خون جاری تھا۔ اس حالت میں وہ کہہ رہے تھے — ”خدا کی قسم میں نے بارہ آدمی تم میں جان سے مارے ہیں۔ اور زخمیوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ مجھے مسرت ہے کہ میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اور اگر میرے بازو ٹوٹ نہ جاتے تو تم مجھے اس طرح گرفتار ہرگز نہ کر سکتے۔“

شمر نے کہا: ”اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑنا چاہئے۔“ عمر سعد نے کہا ”تم گرفتار کر کے لائے ہو۔ تم ہی کو اختیار ہے۔“

شمر نے تلوار کھینچی۔ نافع نے کہا: ”اگر تم لوگ مسلمان ہوتے تو کبھی ہم لوگوں کے خون میں ہاتھ نہ

بھرتے۔ شکر خدا کا کہ اس نے ہم لوگوں کی موت اپنے مخلوق میں سے بدترین لوگوں کے ہاتھ سے قرار دی۔“
شمر نے تلوار لگائی۔ نافع شہید ہوئے۔^(۱)

صاحب ’ناسخ‘ نے سلسلہ شہداء میں ہلال بن نافع اور نافع بن ہلال کو دو شخص قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”بروایت صاحب روضة

الاحباب بعد از شہادت مسلم

ہلال بن نافع بجلی آہنگ میدان

کرد، او جوانے بدیع جمال و نیکو

اندام بود و دو شیزہ در خطبہ

داشت کہ باوے طریق مضاجعت

نسپردہ بود چوں ہلال را

نگریست کہ آہنگ قتال دار نہ آب

از دبدہ فرو ریخت و بردامن او در

آویخت کہ بکجا میروی و مرا

باکہ میگذاری و بہ ہائے ہائے

بگریست۔ سید الشہداء علیہ السلام چوں

قصۂ ایشاں را اصغانمود ہلال را

فرمود امروز اہل تو حرمان

ترانتوانند بر تافت و ایشاں را از

خویش خورسند نتوان یافت اگر

خواہی درکار جہاد طریق

مسامحت سپاری و ایشاں را از

خویش خورسند داری عرض کرد

یا ابن رسول اللہ اگر امروز نصرت

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۵۳

(۱) طبری، ج ۶ ص ۲۴۹

تو نجویم فردا بار سول خدائے
چہ گویم وزن را و داع گفت و آہنگ
جہاد کرد و بدیں اشعار انشاوار
جوزہ فرمود۔

ارمی بہا معلمہ افواہا
والنفس لا ینفعہا اشفاقہا
مسمومہ تجری بہا اخفاقہا
لیملآن ارضہا رشاقہا

ہمانا ہلال مردی دلیرو
کمانداری دلاور بود کہ ہر گز
عقاب خدنگش جز مرکز ہدف را
نشیمن نساخت۔ ہشتاد تیردر
کنانہ آگندہ داشت باہر خدنگ
مردی را از پشت شیرنگ بر زمین
افگند چو تیر در کنانہ نماند
مردانہ باتیغ حملہ ور گشت و
گفت۔

انا الغلام الیمنی البجلی
دینی علیؑ دین حسینؑ و علیؑ
ان اقتل الیوم فہذا املی
فذاک رأ بی والا قی عملی
مردے از سپاہ ابن سعد کہ
اورا قیس می نامیدند با شمشیر
آختہ بمیدان تاخت ہلال اورا
مجال نہ دادے توانی اورا
بظمورۃ نیراں فرستاد و باتیغ سر
افشاں سیزدہ تن از بداندیشان را

از پیاے در آورد ای وقت انبوه
لشکر بضر ب سیف و سناں اورا
بجستند و باز واں اورا درہم
شکستند و اورا ماخوذ داشتہ بہ
نزد شمر ذی الجوشن بردند۔ شمر
حکم داد تا سر مبارکش را از تن
دور کردند۔ این وقت نافع بن ہلال
بجلی آغاز مبادرت نمود الخ^(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہلال بن نافع
میدان جنگ میں گئے اور شہید ہوئے، پھر نافع بن ہلال۔
صاحب نسخ نے زیارت شہداء سے جو سلام نقل
کیا ہے وہ پہلے درج ہو چکا ہے۔

اس میں ان کا پورا نام اس طرح درج ہے:

”السلام علی نافع بن ہلال بن
نافع البجلی المرادی۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہلال بن نافع باپ
تھے اور نافع ان کے فرزند۔ اس روایت میں جو مبارز طلبی
کے سلسلہ میں درج کی گئی ہے اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ
ہلال بن نافع کے ساتھ ان کے فرزند نافع تھے یا نافع کے
ساتھ ان کے باپ ہلال بھی تھے۔

اس روایت سے ثابت ہے کہ ہلال نو عمر نوجوان شخص
تھے اور ابھی تازہ ان کی شادی ہوئی تھی اور ان کی تازہ عروس
ان کے ساتھ تھی یہ امر کہ وہ تیر انداز تھے اور ان کی رجز کا یہ
مضمون کہ ان کے تیروں کے سو فار پران کے نام کی نشانی
موجود تھی نافع کی روایت سے مطابق ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۷ پر۔۔۔)

(۱) ناخ التواریخ، ج ۶ ص ۲۶۶

کتاب کافی کی ایک حدیث مبارک کا حل

خطیب اعظم کلیم اہلبیت علامہ سید سبط حسن نقوی صاحب قبلہ فاطر جاسی

جب خداوند عالم کسی کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو اسکی قدر کرنا اُس کا شکریہ ہے، اور کفرانِ نعمت اُس کی ناقدری کا نام ہے۔ یہ میرا مقولہ نہیں ہے بلکہ خدائے عزیز کے کلام کا مفاد ہے۔
لئن شکرتم لا زید نکم و لئن کفرتم ان عذابا لشدید

”اگر تم میری نعمتوں کی شکر گزاری کرو گے تو میں اُن میں تمہارے لئے اضافہ کروں گا اور اگر تم میری نعمت کا کفران کرو گے تو میرا عذاب شدید ہے۔“

اس آیت میں اس وعدہ و وعید سے کوئی فرقہ مستثنیٰ نہیں ہے۔ بلکہ جو ایسا کرے گا وہ اس کی جزا یا سزا پائے گا۔ وجودِ امام چونکہ ایک بڑی نعمت ہے لہذا اُس کا حفظ اور اُس کی اطاعت وغیرہ تمام باتیں اس کے وجود کے شکریہ میں محسوب ہیں اس کا ترک موجب کفرانِ نعمت ہوگا، اور یہی وقت توجہ غضب کا معین ہے کیونکہ ناشکری موجب سلبِ نعمت ہے اور سلبِ نعمت ہی نتیجہ غضب ہے۔ چونکہ وہ لوگ جو دوستی کا دم بھرتے تھے انہوں نے احکامِ امام کی اطاعت نہ کی۔ حضرت نے پہلے ہی فرمایا تھا کہ میری امامت کو شائع نہ کرنا ورنہ خلفائے جور کے ہاتھوں میرے قتل کا سامان ہوگا۔ لیکن شیعوں نے ایسا نہ کیا یہاں تک کہ اس معاملہ پر ہارون رشید آپ کے قتل پر آمادہ ہو گیا اس نافرمانی اور عدمِ اطاعت کی وجہ سے خدا غضبناک ہوا اور اُس نے شیعوں سے سلبِ نعمت کا فیصلہ کر دیا چونکہ سلبِ نعمت دو طرح ہو سکتا ہے یا تو نعمت ہی نہ رہے، یا جن پر نعمت ہے وہ نہ رہیں۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ مجھے خدا نے

علی بن ابراہیم عن محمد بن عیسیٰ عن بعض اصحابنا عن ابی الحسن علیہ السلام موسیٰ قال ان الله عزوجل غضب علی الشیعة فخیرنی نفسی اوهم فوقیتهم والله بنفسی۔

علی بن ابراہیم نے محمد بن عیسیٰ اور انہوں نے ہمارے بعض اصحاب سے اور بعض اصحاب نے امام موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا ”خدا شیعوں پر غضبناک ہوا۔ اُس نے مجھے اختیار دیا کہ یا تم رہو یا وہ رہیں تو خدا کی قسم میں نے اپنے نفس کے لئے موت گوارا کی اور انہیں بچالیا۔“

متن حدیث میں غضبناک ہونے کا ذکر ہے، لیکن اُس وجہ کا ذکر نہیں ہے جس کے لئے خدا غضبناک ہوا (۲) غضبناک ہونا بتاتا ہے کہ شیعوں سے خلافِ مرضی جنابِ باری سے کوئی بات ہوئی اور یہ ممکن ہے کیونکہ شیعہ معصوم نہیں ہیں (۳) وجہ غضب شیعیت نہیں ہو سکتی اور تعبیر غضب علی الشیعة بتاتی ہے کہ یہ بات پہلی نہ تھی اور اگر شیعیت خود ایک گناہ فرض کی جائے تو خلیل بھی العیاذ باللہ مجرم ہو گئے وان من شیعته لا براہیم اور اگر صرف شیعیان اہلبیت ہی مجرم قرار پائیں جیسا کہ اہل سنت کا دل چاہتا ہے، تو امام کا اپنی جان دیکر اُن کا بچانا کیا معنی رکھے گا (۴) غضب کا تحقق موت سے نہ ہوگا ورنہ موت امام بھی معاذ اللہ اسی غضب کی حصہ دار ہوگی، اور معلوم ہے کہ معصوم غیر مغضوب ہے۔ ان جملوں کو بیان کر کے ہم حدیث مبارک کو یوں حل کئے دیتے ہیں کہ اہل نظر کے سامنے سے پردہ ہٹ جائے، وہو ہذا:

اختیار دیا کہ یا تم رہو یا وہ رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم کے احکام و صورتوں سے میرے پیش نظر ہیں یا تو میں اپنے تمام دوستوں کو لیکر ہارون رشید سے جہاد کروں اور اُن کو قتل کروادوں یا صورت حال پر صبر کروں یہاں تک کہ میری موت آپنچے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اُن کو بچا دیا کیونکہ میں نے اُن کو دشمن سے جہاد کرنے کی دعوت نہیں دی اور خود وہ اسیری گوارا کر لی جس کا نتیجہ موت تھی۔ اس ترجیح کی وجہ غالباً آپ کی نظر میں وہ شوق موت تھا جو اولیائے خدا کو ہوا کرتا ہے، کیونکہ موت اُن کے لئے لقاءِ جنابِ احدیت کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ جناب رسالتمآب اس وقت جب آپ کو اختیار دیا گیا کہ چاہے آپ دنیا میں رہیں یا لقاءِ خدا کو اختیار کریں فرمایا کہ الرفیق الا علی الرفیق الا علی جس سے حضرت عائشہ نے یہ سمجھا کہ آپ نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ چونکہ امام نہیں کی حقیقی نسل تھے لہذا وہی جذبات لقاءِ خدا جو اصل میں تھے فرع میں بھی نظر آتے تھے نیز شیعوں پر شفقت کا مقتضی بھی یہی تھا کہ اُن کی نسلیں منقطع نہ ہو جائیں اور وہ صلحا و تقیاء و ابرار جو اُن کے پشت میں ہیں، اُن کو دنیا میں آنے کا موقع ملے۔

یہ وہ حل حدیث تھا جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا لیکن مجھے بہت تعجب ہے کہ جو لوگ فقہ و حدیث سے کسی قسم کا ارتباط نہیں رکھتے وہ کیوں اپنی نافرمانی کو طشت از بام کرنا چاہتے ہیں۔ کرم حسین صاحب کوئی مدعی علم ہیں جن کا علمی نشوونما اخبار الفقہ امرتسر مورخہ ۵ جنوری ۱۹۲۴ء کے صفحہ ۹ پر نظر آیا۔ آپ اس میں رقمطراز ہیں یہ وہی معاملہ ہے جیسا کہ نصاریٰ کے اعتقاد میں جناب مسیح علیہ السلام نے عیسائیوں کے گناہوں کے کفارہ میں اپنی جان دے دی۔ ”کرے کوئی بھرے کوئی“ یہ تو دماغ کی غلطی ہے اور جہالت کا ثمر ہے ورنہ اُس مضمون کو اعتقاد نصاریٰ سے کیا تعلق ہے اور تحسیر جو کلام امامؑ میں مذکور ہے وہ

کفارہ مراد نہ ہونے کی اعلیٰ شاہد ہے لیکن آپ میں یہ مادہ فہم کہاں جوان باتوں کی جانب التفات فرمائیں۔ ہاں آپ اپنے مفسروں سے پوچھیے کہ اُنہوں نے آیہ لک لیغفر اللہ ماتقدم من ذنبک و ماتاخر میں بیان کیا ہے کہ امت کے گناہان گذشتہ و آئندہ رسولؐ کے سر رکھے گئے پھر وہ رسولؐ کے لئے بخش دئے گئے۔ یہ مقام ہے جہاں آپ فرما سکتے ہیں کہ اعتقاد نصاریٰ کی بو آتی ہے کیونکہ اب امت جو چاہے کرے وہ سب رسولؐ کے سر ہے ”کرے کوئی بھرے کوئی“، باین ناہمی مطلب کا تب مضمون نے لطیفہ سنجی کی بھی داد دی ہے اور بنائے فاسد پر دو لطیفوں کی عمارتیں قائم کی ہیں۔ اول یہ کہ شیعوں کی ایسی حالت تھی کہ اگر چہ دنیا میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین بھی موجود تھے مگر خدا کا غضب شیعوں پر ہی نازل ہونے والا تھا۔ نہ معلوم نازل ہونے والا یہ کس جملہ کے معنی ہیں مگر جب ایسی تحریفات کی عادت ہو تو کہاں جاسکتی ہے۔ یہ صاحب معلوم ہوتا ہے کہ سورہ حمد کبھی نماز میں نہیں پڑھتے ورنہ سب مفسرین نے کلمہ مغضوب و ضالین میں یہود و نصاریٰ کو مراد لیا ہے، پھر جب ان کا مغضوب ہونا تصریح قرآن سے ثابت ہے تو آپ کی طرفداری جو یہود و نصاریٰ کے متعلق ہے وہ آپ کو یا اُن کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ ایک بات اور بھی آپ کی علمی حالت پر روشنی ڈالتی ہے وہ یہ کہ اگر شیعوں پر خدا کسی معصیت کے جہت سے غضبناک ہو تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا کی کسی موجودہ امت پر وہ غضبناک نہ ہوگا جب ہی تو یہ لطیفہ صحیح ہو سکتا ہے ورنہ معلوم ہے کہ ایک شے کے لئے کسی چیز کا ثبوت دوسری چیز سے اسکی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔

برین عقل و دانش بیاید گریست

جہاں خدا قرآن میں اصحاب نبی کو پیٹھ پھیر کے بھاگنے کی پاداش میں مژدہ غضب دے رہا ہے اور آیت کے الفاظ یہ ہیں:

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۷ پر۔۔۔۔۔)

عورت اسلام کی روشنی میں

اسد العلماء مولانا سید اسد علی صاحب قبلہ الہ آبادی

میدان کر بلا اور عورت

میدان کر بلا جہاں انسانیت کے تمام شعبوں کے لئے ایک اعلیٰ ترین عملی درس گاہ ہے وہاں عورت کی منزل کو بھی معراج کمال پر دکھانے کے لئے کافی ہے۔

قیامت کی گرمی بلق و دق ریگستان، دریا سے بہت دور حسین علیہ السلام خیمہ نصب کر رہے ہیں، بہت ہی اہتمام اور غور و فکر کے ساتھ یہ کام انجام پا رہا ہے۔ ایسی جگہ تلاش کی جا رہی ہے جہاں سے محذرات کی حفاظت ہو سکے۔ اگر اس میں بھی نا کامیابی ہوتی ہے تو خیمہ کے چاروں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ دیکھئے قیامت کی گرمی ہے۔ آب و دانہ بند ہے مگر حسینؑ عورت کے متعلق اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہیں ان کو پیاس سے زیادہ محذرات عصمت کا خیال ہے اس کا ثبوت اس وقت ملتا ہے جب حسینؑ تنہا رہ گئے ہیں اور مشغول جہاد ہیں۔ دشمنوں کو دور بھگا کر ساحل فرات پر پہنچ گئے ہیں۔ گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا ہے اور فرماتے ہیں کہ رہو! تو بھی پیاسا ہے اور میں بھی پیاسا ہوں جب تک تو نہ پئے گا میں نہ پیوں گا۔ گھوڑے نے پانی کی طرف سے منہ اٹھالیا اور نہ پیا۔ امامؑ نے فرمایا کہ اچھا پانی میں بھی پیتا ہوں اور اس کو مطمئن کرنے کے لئے جھک کر چلو میں پانی لیا کہ اتنے میں ایک کذاب بولا کہ آپ پانی میں مشغول ہیں اور ادھر آپ کے اہل حرم لٹ رہے ہیں۔ حسینؑ نے فوراً پانی پھینک دیا اور آکر دیکھا تو خیمہ سالم تھا۔ حسینؑ جانتے تھے کہ ایسا نہیں ہے مگر عورتوں کی عظمت اور پردہ کی ضرورت پر روشنی ڈالنا مقصود تھا۔

اسی طرح جہاد کرتے ہوئے جب تقریباً دو ہزار کو فی النار

کر چکے تو پسر سعد نے لوگوں کو ہمت دلانا شروع کیا اور کہا کہ تم کو کچھ معلوم ہے کس سے لڑتے ہو؟ علیؑ کے لال کا مقابلہ ہے۔ اس کے بعد اس نے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ ہر چہار جانب سے گھیر کے تیر برساؤ۔ اس وقت وہ ملائین امامؑ اور ان کے اہل حرم کے درمیان حائل ہو گئے اور تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ امامؑ اس منظر کو نہ برداشت کر سکے اور دشمنان دین کو خیام سے اس قدر قریب نہ دیکھ سکے۔ فوراً پکار کر ارشاد فرمایا کہ اے ابوسفیان کے پیرو! تمہاری غیرت و حمیت کیا ہو گئی؟ عورتوں سے تم کو کیا سروکار؟ مجھ سے لڑو اور جب تک کہ میں زندہ ہوں اہل حرم سے متعرض نہ ہو۔ ایک تیسرا واقعہ اسی قسم کا ملاحظہ ہو کہ حسینؑ کر بلا کی تہتی ریت پر پڑے ہیں، اشقیاء سر جدا کرنا چاہتے ہیں مگر ہمت نہیں پڑتی۔ قریب جا جا کر واپس بھاگ آتے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد اس امتحان کے لئے کہ حسینؑ زندہ ہیں یا نہیں یہ حکم دیا گیا کہ خیام کی طرف گھوڑوں کو چھوڑ دو معلوم ہو جائے گا۔ حسینؑ نے جس وقت خیام کی طرف جانے کی آہٹ محسوس کی کہنویوں پر زور دیکر اٹھے اور فرمایا کہ ابھی میں زندہ ہوں ادھر آؤ۔

یہ تھی عورت کی منزل، جس کو کر بلا کے ہیرو نے عالم پر درخشاں کر دیا گویا آپ اس آخری سانس کے آنے تک دنیا کو سبق دے رہے تھے کہ جان، مال، عزیز، اقارب سب کو قربان کرنے کے بعد بھی عورت کی عزت و حرمت کو اسلام نے کس قدر عزیز رکھا ہے، کیا اس سے بڑھ کر عورتوں کی قدر و منزلت کسی دوسرے مذہب نے پیش کی ہے؟ جس کو اسلام کے صحیح رہنما ”حسینؑ“ نے ہمارے اور آپ کے سامنے پیش

کیا۔

ابھی گوشِ دل میں اگر تابِ سماعت باقی ہے تو سنیئے کہ جب یکہ و تنہا حسینؑ رہ گئے اور ہر ایک سے رخصت ہونے لگے تو بجز خواتین کے اور تھا کون، یا بیمار کر بلا تھے۔ امامؑ ہر ایک کو سلام رخصت کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں اس اتنی ترقی یافتہ دنیا میں بھی جبکہ پرانے زمانے کی ”کنیزی“ کا مضحکہ اڑا کر اپنے اوپر فخر و مباہات کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی خادمہ کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک یا کوئی خاص قدر و منزلت نہیں کی جاتی۔ لیکن کر بلا میں اور پھر ایسے پر ہول اور ہنگامہ خیز موقع پر جبکہ بظاہر انسان کے ہوش و حواس بجا ہی نہیں رہ سکتے، مگر حسینؑ اس وقت بھی صرف فرائض ہی کو نہیں بلکہ جزئیات کو جن کو اگر فراموش کر دیتے تو کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وقت سخت تھا لیکن ان کو بھی آپ ہمیشہ کی طرح ادا کر رہے ہیں۔ قدیم خادمہ فضلہ کو بھی اسی انداز میں سلام کر رہے ہیں کہ جس انداز سے مندرجات عصمت و طہارت کو سلام کیا۔

فی الحقیقت کر بلا میں عورتوں نے مردوں کے دوش بدوش شجاعت اور بلند حوصلگی کے غیر فانی نقوش چھوڑے ہیں انہوں نے اپنے اعزاء، بھائی، بھتیجے، بیٹے، گود کے پالے، کڑیل جوان شہزادے فرض کی قربانگاہ پر نذر کر دیے۔ ان عورتوں کو جانے دیجئے جن کے رگ و پے میں علوی اور فاطمی خون جوش مار رہا تھا یا جن عورتوں کو ان گھرانوں میں زندگی گزارنے کا شرف حاصل تھا، عام عورتوں کو دیکھئے جیسے وہ سہاگن جس نے ابھی گنتی کی راتیں اپنے شوہر کے ساتھ آغوشِ مسرت میں بسر کی ہیں مگر وقت آنے پر وہ خوشی خوشی اپنے وارث کو مولا پر قربان ہونے کے لئے اجازت دے دیتی ہے جو اس کی بلند حوصلگی، علو ہمت و فعالیت کا ثبوت ہے اس کو شہادت کی حیات ابدی اور حسینؑ کی صداقت کا کتنا یقین تھا کہ وہ امامؑ کے سامنے جنت میں ہمراہی کا وعدہ لیتی ہے اور پھر قربان گاہ انسانیت پر ثابت قدم رہنے میں شد دیتی ہے اور آخر خود بھی درجہ شہادت

پر فائز ہوتی ہے۔ شہادت حسینؑ کے بعد عورتوں نے جس صبر و ثبات، عزم و استقلال، جرأت و اقدام رضا و تسلیم کے شاہکار پیش کئے ہیں اس کی مثال صحنِ عالم میں ناپید ہے۔ حسینیؑ کا رنامہ جس کی عظمت کے سامنے ہر ملت کے عظیم افراد سر نیاز خم کر دیتے ہیں جس نے کسی زبان و قلم کو بغیر خراج تحسین حاصل کئے نہیں چھوڑا وہ جس طرح مردوں کے بے پناہ عزم و استقلال کا ممنون احسان ہے اسی طرح عورتوں کی جرأت و اقدام رضا و تسلیم، فصاحت و طلاقت کا رہین منت ہے ورنہ یہ کون بتاتا کہ فرزند رسولؐ نے سوکھا گلا کیوں کٹوایا بھائیوں، بھتیجوں اور بھانجوں اور بیٹوں کو کن اصول کی حفاظت میں قربان کیا اور حسینؑ جو شہید کئے گئے کون تھے۔ کس برج شرف کے تارے تھے اور کس آسمان رفعت کے آفتاب تھے۔

صنف نازک ہی کی کچھ ہستیاں تھیں جنہوں نے دست و بازو رسن بستہ کر کر عالم انسانی کو یہ سمجھایا کہ حسینؑ کا مقصد خود تخت حکومت پر بیٹھ کر دنیا کے مال و منال سے لطف و لذت سے متمتع ہونا نہیں ہے بلکہ ان کا اصلی مقصد دنیا کو ظلم کے پنجے سے رہا کرنا اور ہر ایسی حکومت سے جس کی بنیاد تشدد پر قائم ہو انسانوں کو متنفر کر دینا ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے کارناموں کی مالک عورتیں تعلیم و تربیت سے خالی تھیں، ہاں اس تعلیم سے بیشک دور تھیں جس سے عورت اپنے فرائض سے غافل ہو جائے۔ اپنی ذمہ داریوں میں شرم محسوس کرے۔ اپنے حقوق کی ادائیگی میں کسر شان سمجھے اور شوہر پر حاوی ہو جائے۔

یہ واقعہ کیا معمولی تعلیم و تربیت کو ظاہر کرتا ہے کہ ایک عربی شاعر تھا جس کا ایک جانی دشمن تھا۔ ایک دن وہ راہ میں کہیں جا رہا تھا کہ دشمن سے سامنا ہو گیا اس کو فوراً اپنی موت کا یقین ہو گیا اور سمجھ گیا کہ اب پیمانہ عمر لبریز ہو چکا۔ کہا کہ میں جانتا ہوں کہ پیام مرگ آگیا مگر ایک آرزو ہے اگر تم پورا کر دو تو خوب ہو اور وہ یہ ہے کہ جب میرے قتل سے فراغت ہو تو ذرا

حالانکہ کوئی مرد زنانہ لباس پہن کر برسر عام آنے کا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ بیوی بننا لاکھوں مغربی عورتوں کے نزدیک موجب ذلت ہے حالانکہ شوہر بننا کسی مرد کے نزدیک بھی ذلت کا سبب نہیں۔ مراد انہ افعال کرنے میں عورتیں عزت محسوس کرتی ہیں جیسے گھوڑے پر سوار ہونا مختلف سواریوں کی ڈاریور بننا وغیرہ حالانکہ پرورش اطفال و تنظیم خانہ جیسے خالص زنانہ کاموں میں کوئی مرد عزت محسوس کرتا۔

لہذا یہ کہنے کی جرأت ناروانہ ہوگی کہ جدید معاشرت نے عورت کو عورت ہونے کی حیثیت سے کوئی عزت نہیں دی۔ یہ کام صرف اسلام نے کیا کہ عورت کو تمدن و معاشرت میں اس کے فطری مقام پر ہی رکھ کر عزت و رفعت کی خلعت عطا کی اور صحیح معنوں میں نسائیت کو بلند کیا۔ اسلامی تمدن عورت کو عورت اور مرد کو مرد رکھ کر دونوں سے الگ الگ وہی کام لیتا ہے جس کے لئے فطرت نے اس کو بنایا ہے اور ہر ایک کو اسی کی جگہ پر رکھتے ہوئے عزت و شرف ترقی و کامرانی کے یکساں مواقع بہم پہنچاتا ہے۔ اس کی نگاہ میں انوثیت اور رجولیت دونوں انسانیت کے ضروری اجزاء ہیں تمدن کی تعمیر کے لئے دونوں کی اہمیت یکساں ہے۔

پردہ اور اس کی حکمتیں

انسان کے زوجین میں جو صنفی کشش ہے وہ حیاتی حیثیت سے اسی نوعیت کی ہے جو دوسرے انواع حیوانی میں پائی جاتی ہے۔ ایک صنف کا ہر فرد صنف مقابل کے ہر فرد کی طرف حیوانی میلان رکھتا ہے اور تناسل کا زبردست داعیہ جوان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے، دونوں صنفوں کے ان تمام افراد کو ایک دوسرے کی جانب کھینچتا ہے جن میں نتیجہ دینے کی صلاحیت بالفعل موجود ہو پھر ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ایسے بڑھتے ہوئے جذبات کی روک تھام کے لئے قوانین موجود ہوں تاکہ اس شدید میلان کا باقاعدہ تحفظ کیا جائے جو حفاظت کی مخصوص اور محکم تدبیروں کے بغیر قابو میں نہیں رکھا

گھر تک چلے جانا اور دروازہ پر یہ مصرع کہہ دینا۔ الا ایہا البنتان ان ابا کما“ (اے دونوں لڑکیوں تمہارا باپ) اس نے قبول کیا۔ قتل کرنے کے بعد مکان پر پہنچا اور یہ مصرع پڑھا مقتول کی دونوں لڑکیوں نے جب یہ مصرع سنا تو ایک ہی آواز میں اس کو جواب دیا۔ ”قتیل خذا بالثار ممن اتاکما۔“ (مقتول ہے تمہارے پاس جو آئے اس سے قصاص لے لو) اور یہ کہہ کر اس کے لپٹ گئیں اور حاکم کے روبرو لے جا کر کھڑا کر دیا حاکم نے اس سے معاملہ پوچھا اس نے قتل کا اقرار کیا حاکم نے اس کو سزائے موت دے دی۔ یا وہ محترمہ جنہوں نے خانوادہ رسالت کی خدمت سے یہ فیض حاصل کیا کہ چالیس سال تک سوا قرآن کے کچھ کلام نہ کیا عرض مدعا کیا تو قرآن کی آیت پڑھ دی۔ کچھ پوچھنا ہوا تو قرآن کی آیت تلاوت کی۔ جواب دینا ہوا تو قرآن سے جواب دیا۔ یہ کیا کسی معمولی علم کی دلیل ہے یہ وہ علم ہے جو باب مدینۃ العلم ہی کے یہاں سے مل سکتا ہے۔

آج تعلیم نسواں اور حقوق نسواں کے جو الفاظ سنے جاتے ہیں یہ سب اسلام ہی کی بدولت بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آج اس بیسویں صدی میں بھی دنیائے اسلام سے بہت پیچھے ہے۔ افکار انسانی کا ارتقائے اب بھی اس مقام تک نہیں پہنچا ہے جہاں تک اسلام پہنچ چکا ہے۔ مغرب نے عورت کو جو کچھ دیا ہے عورت کی حیثیت سے نہیں دیا ہے بلکہ مرد بتا کر دیا ہے اور درحقیقت عورت اس کی نگاہ میں اب بھی ویسی ہی ذلیل ہے۔ گھر کی ملکہ، شوہر کی بیوی، بچوں کی ماں ایک اصلی اور حقیقی عزت اب بھی عورت کے لئے نہیں سمجھی جاتی۔

عزت اگر ہے تو اس مرد مونث کے لئے جو جسمانی حیثیت سے تو عورت مگر دماغی اور ذہنی حیثیت سے مرد ہو اور تمدن کی زندگی میں مردانہ وار کام کرنے والی ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ انوثیت کی عزت نہیں بلکہ رجولیت کی عزت ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مغربی عورت مردانہ لباس فخر کے ساتھ پہنتی ہے

جاسکتا اور اگر کہیں ایک بار بے قابو ہو گیا تو پھر اس پر تسلط پانا قریب قریب ناممکن ہے تو پھر عریانی اور فواحش کی غیر معمولی منزل پر جا کر دم لے گا اور انسان کو زلی حیوان ہی بنا کر رہے گا۔

اسلام نے اسی لئے پردہ کا قانون نافذ کیا اور مرد و عورت دونوں کے لئے احتیاطی تدبیروں کے تحت پردے کی حریم قرار دی یہ کوئی خلاف فطرت قانون نہ تھا بلکہ عین فطرت انسانی کے اندر حیا کا ایک جذبہ موجود ہے اس کے جسم کی ساخت کچھ ایسی ہے جس کے بعض حصوں کے چھپانے کی خواہش اس کی جبلت میں ودیعت ہے اور یہی وجہ تھی جس کی بنا پر وہ ہر عہد میں کسی نہ کسی قسم کا لباس اختیار کرنے پر مجبور تھا اور جب بہت سے تقاضے نہ تھے اس وقت یہ تقاضا منجانب فطرت موجود تھا۔ دین حنیف اسلام نے یہ بتلایا کہ جدید تعلیمات تخریبی پہلو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں۔ مناسب طریقہ یہ ہے کہ مرد و عورت کے جن جسمانی حصوں میں صنفی جاذبیت ہے ان کے کشف و اظہار میں جھجکنا اور ان کو چھپانے کی کوشش کرنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور یہ بھی بتایا کہ ان حصوں کو کھول دینا شیطان کا عین مطلوب ہے۔

اسلامی نظام معاشرت ان تمام مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے لئے حرام قرار دیتا ہے جو ایک جگہ رہنے اور فریبی تعلق رکھنے پر مجبور ہیں تاکہ صنفی میلان کے پیدا ہونے کا کوئی تصور ہی نہ ہو سکے۔ جیسے ماں اور بیٹا، باپ اور بیٹی، بھائی اور بہن، پھوپھی اور بھتیجا، چچا اور بھتیجی، خالہ اور بھانجا، ماموں اور بھانجی، سوتیلہ باپ اور بیٹی، سوتیلی ماں اور بیٹا، ساس اور داماد خسر اور بہو سالی اور بہنوئی (بہن کی زندگی میں) اور رضاعی رشتہ دار۔ سورہ نساء میں یہ محارم کی فہرست دے دی گئی اس کے بعد وہ عورتیں حرام کر دیں جو دوسرے کے نکاح میں ہوں۔ یہ مذکورہ بالا فہرست میں سالی اور بہنوئی کے سوا پردہ نہیں ہے۔ اب رہ گئیں باقی اور تمام عورتیں تو ان کے ساتھ صنفی تعلق کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر دیا اور بے ضابطہ تعلق کو زنا کہہ کر ممنوع

قرار دیا۔ ضابطہ یہ بتا دیا کہ نکاح ہو یا متعہ ہو یا کینیز ہو اور بے ضابطہ طریقے کے واسطے سورہ بنی اسرائیل میں کہہ دیا (وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَةَ إِنَّهَا كَانَ فَا حِشَّتَهُ وَمَقْتَاو سَاءَ سَبِيلًا) زنا کے قریب نہ جانا یہ بیہودہ بات ہے، بری راہ ہے اور باعث ناراضگی پروردگار ہے اور زنا کرنے والے مرد و عورت کے لئے یہ سزا مقرر کر دی کہ دونوں کو سو کوڑے لگانے کا حکم دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو اس سزا کے نافذ کرنے میں تم کو کسی قسم کا ترس و لحاظ نہ کرنا چاہئے بشرطیکہ تم روز آخرت اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ پھر اور مزید توہین و تحقیر کی غرض سے یہ کہا کہ ان دونوں کی سزا کے وقت مومنین کی ایک جماعت کو موجود رہنا چاہئے مگر یہ سزائے شوہر اور بے بیوی کے مرد و عورت کے لئے ہے مگر رابطہ زوجیت رکھنے والے مرد و عورت کے لئے سنگسار کرنے کی سزا مقرر ہے۔ لوٹڈی اور غلام اگر بے شوہر و زوجہ کے ہوں تو ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر رابطہ زوجیت کے اندر ہوں تو سات مرتبہ تک یہی سزا دی جائے گی اور آٹھویں بار سزائے موت۔ اس کے بعد اسی مقام پر سورہ نور میں یہ بھی بتایا گیا کہ دیکھو خبردار بغیر قطعی ثبوت کے کسی کو زنا کا اہتمام مت لگاؤ اور جو لوگ تہمت لگائیں اور پھر چار گواہ نہ لائیں تو ان کو اس جرم کی پاداش میں کہ انہوں نے پاکدامن کو گتہ گار بتایا اسی کوڑے لگاؤ اور کبھی ان کی گواہی قبول مت کرو اور یاد رکھو کہ یہ لوگ خود فاسق ہیں۔ معاملہ نکاح میں اظہار و اعلان کی طرف ترغیب دی تاکہ سوسائٹی میں یہ بات معلوم ہو جائے کہ فلاں مرد و عورت ایک دوسرے کے ہو چکے ہیں۔ اسلام کے احتیاطی اصول کو ملا حظہ کیجئے کہ قانون میں تو زنا صرف جسمانی اتصال کا نام ہے لیکن اخلاقی حیثیت سے حدود شرع سے باہر نکل کر ہر میلان نیت کے اعتبار سے زنا ہے کسی کے حسن کی آرائش و زیبائش دیکھ کر آنکھوں کا لطف اٹھانا یہ آنکھوں کی زنا ہے۔

حدیث میں ہے:

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۸۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پر)

مرثیہ در حال حضرت عباس علیہ السلام (بند ۲۰۱)

سنہ تصنیف: ۲۹ رجب المرجب ۱۳۴۲ھ

دعبل ہند نواب مولانا سید فرزند حسین ذاکر اجتہادی

(۴)

اس کا کیا کہنا زمانے میں جو ناکام نہیں
عشق والوں کو یہ راحت سحر و شام نہیں
ابتدا موت نہ جس کی ہو وہ انجام نہیں
مرنے والوں کو کسی طرح سے آرام نہیں
شمع جب طرزِ بکا آ کے بتا جاتی ہے
رو کے مرتے ہیں تو زخموں کو ہنسی آتی ہے

(۵)

دردِ دل کے کہاں ممکن ہیں زمانہ میں طیب
نا امیدی سے رہا کرتی ہے امید قریب
اُن سے پوچھو جنہیں وصلت کی کوئی شب ہونصیب
دل سی شے رشک سے ہو جاتی ہے آخر کو رقیب
نزع میں ہو کے جدالب کے قریں چلتی ہے
دل کہیں رہتا ہے اور سانس کہیں چلتی ہے

(۶)

طرزِ نالہ کبھی بھاتا ہے کبھی طرزِ فغاں
سانس اکھڑتی ہے تو برآتے ہیں دل کے ارماں
رہا کرتی تھی حبابوں کی طرح جسم میں جاں
مذہبِ عشق میں ہے زندگی و موت اک ساں
واپس آ جاتے ہیں پھر دہر کے جانے والے
زندہ کر لیتے ہیں ٹھوکر کے لگانے والے

(۱)

وصل کا نام زمانے میں برا ہوتا ہے
عشق کامل کوئی کر لے تو فنا ہوتا ہے
وعدہ سنتے ہیں دمِ مرگ وفا ہوتا ہے
ہائے بیدرد سمجھتے نہیں کیا ہوتا ہے
آہ کا بار ضعیفوں سے کہاں اٹھتا ہے
شمع کی طرح کلیجے سے دھواں اٹھتا ہے

(۲)

جلوۂ طور چھپا رات کو دکھلا کے کوئی
مدتوں قلبِ حزیں میں نہ رہا آ کے کوئی
سہل کر جاتا شبِ ہجر کو سمجھا کے کوئی
نہ گیا فرش پہ کروٹ کو بدلو کے کوئی
جو سنی تھی وہ دمِ نزع صدا ڈھونڈتے ہیں
مرنے والے نظرِ اہل وفا ڈھونڈتے ہیں

(۳)

نالے کہتے ہیں کرو شکوۂ ظلم و بیداد
صبر کہتا ہے یوں ہی پڑتی ہے اکثر افتاد
آنکھ کہتی ہے نہ گر روؤ تو کیسی فریاد
درد کہتا ہے جو بھولے اُسے کیوں کرتے ہو یاد
اضطرابِ جگر و قلب کو سکھلا دیں گے
کروٹیں ہم تمہیں اٹھ اٹھ کے بدلو دیں گے

(۷)

یہ وہی موت ہے جس میں کہ نہیں دخلِ قیاس
حال بیماروں کا پہچانتے ہیں درد شناس
مر کے بھی رہتی ہے عشاق کو یوں وصل کی آس
شمعِ تربت نظر آتی ہے جو پروانوں کے پاس
عشق بھولے نہ جفا چرخ کی سہنے والے
زندگی مانگتے ہیں قبر کے رہنے والے

(۸)

جانِ محبوب جو ہنگامِ جفا لیتے ہیں
کیا بتائیں کہ یہ کیا دیتے ہیں، کیا لیتے ہیں
دلِ عاشق اثرِ لطفِ وفا لیتے ہیں
دم نکلتا ہے تو قدر اپنی بڑھا لیتے ہیں
سر، قبر آتے ہیں ہر رات کو آنے والے
شمعیں چھپ چھپ کے جلاتے ہیں جلانے والے

(۹)

یادِ عشاق یہ نزدیک سفر چھوڑ گئے
شمعِ روتی ہوئی ہنگامِ سحر چھوڑ گئے
رات کو جس میں تڑپتے تھے وہ گھر چھوڑ گئے
نہ رہے خود مگر الفت کا اثر چھوڑ گئے
شعلے اُٹھتے ہیں چراغِ یدِ بیضا کے لئے
جلجلیاں کوندتی ہیں حضرتِ موسیٰ کے لئے

(۱۰)

کیفیت کیا تھی جو عالم میں جواں تھے یوسفؑ
جلوہ افروزِ رخِ ماہوشاں تھے یوسفؑ
یوسفستاں تھا وہ بازار جہاں تھے یوسفؑ
اب بتاتی ہے یہ عبرت کہ کہاں تھے یوسفؑ
چھپ گئے زیرِ زمیں عشق کے آزاروں سے
پوچھ لو مصر کی بیٹھی ہوئی دیواروں سے

(۱۱)

اب نہ ہے عشق نہ عاشق نہ تاسفِ باقی
چپ زبانیں بھی ہوئیں یوں کہ نہیں اُفِ باقی
گو جہاں میں ہیں نہ ایوبؑ نہ یوسفؑ باقی
جامہٴ زیست میں اتنا ہے تکلفِ باقی
شہرت اب تک ہے بکائے غمِ یعقوبیؑ کی
بتیاں جلتی ہیں زخمِ دلِ ایوبیؑ کی

(۱۲)

نفس اُکھڑے ہوئے پیغامِ قضا دیتے ہیں
رخ تری سمت امیدوں کا پھرا دیتے ہیں
کچھ نہ کچھ جب جگر و قلب پتا دیتے ہیں
پہلوؤں میں تجھے گھبرا کے صدا دیتے ہیں
ڈھونڈتے رہتے ہیں زانو کو ترے سر اُن کے
اب ملے یا نہ ملے تو، یہ مقدر ان کے

(۱۳)

جھیلتا ہے اُسے انساں جو دکھائے قسمت
دل کو کھو بیٹھے کہ لے دل پہ ملالِ فرقت
اُس کے ہر ذکر کو ہے یوں تو جہاں میں رفعت
دلِ عشاق سمجھتے ہیں پہ قدرِ وصلت
جی کے مر جاتے ہیں اور مر کے حیات آتی ہے
انقلاب آتا ہے وعدے کی جو رات آتی ہے

(۱۴)

نا امید کی خلشِ قلب کے ناسور سے ہے
موتِ نزدیک کچھ ایسی دلِ رنجور سے ہے
جیسے امیدِ ضررِ زخم کے انگور سے ہے
کتنی یہ رات مشابہ شبِ عاشور سے ہے
مر کے جو عشق سے پا جائیں وہ حال اچھا ہے
روحیں کہتی ہیں کہ فرقت سے وصال اچھا ہے

(۱۵)

جس کو دیکھو وہ مئے عشق و محبت سے ہے چور
 پرتو حسن سے کاشانہ دل ہیں معمور
 وہ نظر آتی ہیں راہیں جو تصور سے ہیں دور
 منتظر آنکھ ہے روشن کن شمع سر طور
 ہیں عیاں قلب کے چھالے پد بیضا کی طرح
 اِرنی کہہ رہے ہیں حضرت موسیٰ کی طرح

(۱۶)

یہ جو سمجھیں ہیں نہیں کوئی تجلی سے ضرر
 حسن کو کھینچ کے لے آیا ہے سینے میں جگر
 دل تک آکر یہ ہوا طور کی بجلی کا اثر
 جلوہ نور نظر آتا ہے اندر باہر
 قلب کا راز کھلا ہجر کے بیماروں پر
 دھوپ پھیلی ہوئی ہے کعبہ کی دیواروں پر

(۱۷)

محو حیرت کئے ہے خشک زبانوں کا بیاں
 ہے تری یاد سے آباد ہر اک اس کا مکاں
 جو تو کہتا ہے ادا کرتی ہے وہ سن کے زباں
 اللہ اللہ یہ ترفع، یہ ترے ذکر کی شاں
 بڑھ گئے جادۂ تسلیم کے بڑھنے والے
 عرش تک پہنچے ہیں قرآن کے پڑھنے والے

(۱۸)

جگر و دل کے کئے جوشِ محبت نے یہ حال
 مرنے والوں کو نہیں جان کے جانے کا ملال
 جانمازوں پہ بٹھائے ہوئے ہے استقلال
 جتنا پہچان چکے ہیں تجھے اتنے ہیں خیال
 ہیں زبانوں پہ ترے ذکر فسانوں کی طرح
 گھٹتے بڑھتے نہیں تسبیح کے دانوں کی طرح

(۱۹)

بدگمانی کا برا ہو کہ ہمیشہ ہیں حزیں
 دل کی پیتابیوں سے کیا رہے اک جا پہ مکیں
 اپنے خود سائے پہ ہوتا ہے رقابت کا یقیں
 اک سے گو ایک جدا ہے مگر آرام نہیں
 قلب بتلاتا ہے امید کی راہیں شب کو
 تخلیہ ڈھونڈھتی پھرتی ہیں نگاہیں شب کو

(۲۰)

دل بخوبی ہے جو حالِ شبِ غم سے آگاہ
 اک نہ اک وصل کی تجویز کیا کرتا ہے راہ
 چاہتا ہے کہ ملے دامن الفت میں پناہ
 غیر ہو جاتے ہیں احباب بھی اللہ اللہ
 رشک کی تیغ کلیجے پہ بری چلتی ہے
 آئے بے اذن ہوا بھی تو چھری چلتی ہے

(۲۱)

موت سے ڈرتے نہیں عشق کے کرنے والے
 خون کر دیتے ہیں دل آہ کے بھرنے والے
 ہیں عجب رنگ میں دنیا سے گزرنے والے
 کتنا بے چین ہیں تنہائی کے مرنے والے
 ہے مرض پر نہ توجہ، نہ مسیحا کی طرف
 دل اندھیرے میں لئے جاتا ہے صحرا کی طرف

(۲۲)

ہے اُسی شب بن نافع کا یہ پر درد بیاں
 چلا میداں کی طرف گھر سے نبی کا دل و جاں
 رُخ ادھر کا تھا زمیں دشت کی بیہر تھی جہاں
 مجھے فکر اس کی کہ تنہائی میں جاتے ہیں کہاں
 کیا کرو گے جو کہیں راہ میں ایذا پہنچے
 سیکڑوں ظلم کے بانی ہیں نہ صدمہ پہنچے

(۲۳)

فکر یہ میری مرے قلب و جگر مان گئے
جن سے امیدِ نخل تھی وہ ارمان گئے
میں قریب آ جو گیا سروِ دیں جان گئے
دشت میں چاپ مرے پاؤں کی پہچان گئے
کہا یہ کون ہے با قلبِ حزیں ساتھ مرے
پیچھے پیچھے بنِ نافع تو نہیں ساتھ مرے

(۲۴)

جوڑ کر دستِ ادب عرض یہ میں کرنے لگا
ساتھ بے شک ہے ہلالِ اے شہِ دین و دنیا
اور بڑھ آئے مرے پاس مری سن کے صدا
تھام کر ہاتھ مرا زیرِ بغل شہ نے رکھا
خوف طاری تھا تو تسکین دلی دے کے چلے
خسرو کون و مکاں ساتھ مجھے لے کے چلے

(۲۵)

اوجِ واپسی یوں ہی طے کرتے ہوئے جاتے تھے شاہ
میں اُسی دشت میں تھا دل کی طرح سے ہمراہ
نہیں معلوم وہ کیا تھا کہ جو تھا پیشِ نگاہ
کہتے جاتے تھے یہی ہے وہ یہی ہے واللہ
ہم نہ سمجھے انہیں جو منہ سے نکالے جملے
ہائے لیکن تھے وہ دل توڑنے والے جملے

(۲۶)

درمیاں دو جبلوں کے مجھے لاکر یہ کہا
اے ہلال! اس جگہ اب کوئی نہیں میرے سوا
تم سے جو کچھ میں کہوں مانو گے کہنا وہ مرا
میں نے کی عرض کہ خادم کو بھلا عذر ہے کیا
بولے شہ جس میں ضرر پاؤ وہ محبوب نہیں
میرے دشمن ہیں عدو، تم نہ مرو، خوب نہیں

(۲۷)

رہتی ہیں گردشیں انساں کے مقدر کے لئے
اپنا سر کا ہے کو کٹواؤ مرے سر کے لئے
ہم کو یاں تھوڑی جگہ چاہئے بستر کے لئے
بنتِ احمد نے ہمیں پالا ہے خنجر کے لئے
شمر کو رن میں دبا لینے دو سینہ میرا
ڈوب جانے دو لبِ نہرِ سفینہ میرا

(۲۸)

کیا کہوں سن کے ہوا یہ جو مرے دل پہ اثر
شہ کی تنہائی پہ بھر آئے مرے دیدہ تر
عرض کی میں نے کہ اے مالک و مخدومِ بشر
کیا مری زبست ہے سلطانِ امم سے بہتر
جائیں گے یا نہیں دنیا سے گزرنے والے
جاں بچاتے ہیں تو بچ جاتے ہیں مرنے والے

(۲۹)

تھا نہ یہ، اور نہ ہے آپ کے خادم کا شعار
دامنِ سبطِ پیبر نہ چھٹے گا زہار
کئے ہیں صرف ہزار اسپ میں میں نے دینار
اسی قیمت کی مرے ہاتھ میں ہے یہ تلوار
دل میں اُس وقت تک ارمانِ عدم باقی ہے
جب تلک تیغ میں کس، اسپ میں دم باقی ہے

(۳۰)

قلب کو قلتِ انصار پہ صدمہ ہے کمال
جانتا ہوں کہ اکیلے ہیں شہ نیکِ خصال
ہاں مگر اتنی تمنا ہے یہ ہنگامِ جدال
آپ کو چھوڑ کے دنیا میں تصدق ہو ہلال
عزم یہ پا کے مرا آپ دعا دے کے چلے
دشت سے پھر سوئے خیمہ شہ دیں لے کے چلے

(۳۱)

ڈیوڑھی تک ساتھ چلا آیا یوں ہی رن سے غلام
رونق افروز ہوئے خیمہ خواہر میں امام
تھا جہاں پہلے وہیں کر لیا پھر میں نے قیام
بھائی، میں اور بہن میں رہے تا دیر کلام
دوری شاہ سے غم طبعِ حزیں کھاتی رہی
جو نہ آتی تھی سمجھ میں وہ صدا آتی رہی

(۳۲)

بنتِ زہرا کا مگر جملہ آخر یہ سنا
بھیڑ بے حد ہے ادھر اے شہِ دین و دنیا
آزمائی بھی ہے بھائی نے رفیقوں کی وفا
مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں ہو نہ یہ ہنگام و غا
رن میں دہشت نہ دمِ جنگ و جدل کھائیں کہیں
آپ کو چھوڑ کے تنہا نہ چلے جائیں کہیں

(۳۳)

بولا سردار دو عالم، یہ نہیں ہے، یہ نہیں
ہے مجھے اچھی طرح سب کی وفاؤں کا یقین
سن لئے میں نے بھی جملے جو یہ باقلبِ حزیں
آیا روتا ہوا میں ابنِ مظاہر کے قریں
وقتِ شب تیغ کے گیسو کو سنورتے دیکھا
صیقل آئینہ شمشیر پہ کرتے دیکھا

(۳۴)

مجھ کو روتا ہوا پایا تو پکارے یہ حبیب
جو رلائے ہمیں وہ دن ہو جہاں میں نہ نصیب
میں نے گھبرا کے صدا دی یہ بہت آ کے قریب
کہنے آیا ہوں جو تم سے وہ فسانہ ہے عجیب
ایسی شب ہوگی زمانے میں بہت کم بھائی
بدگماں سب سے ہے شہزادی عالم بھائی

(۳۵)

تھا میں نزدیکِ درِ خیمہ سلطانِ زمن
فکر اس کی تھی نہ بڑھ آئیں ادھر کو دشمن
رات اندھیری تھی تو تھا قلب پہ اندوہ و محن
ہائے باتیں ابھی بھائی سے یہ کرتی تھی بہن
حوصلہ کل نہ کہیں کم ہو مددگاروں کا
امتحان لے لیا ہے شہ نے نمک خواروں کا

(۳۶)

اس سے بڑھ کر دلِ زینبؑ پہ خطر کیا ہوگا
دیکھئے حالِ شہِ جن و بشر کیا ہوگا
فوج کی بھیڑ کا ہر دل پہ اثر کیا ہوگا
اس کی دہشت ہے کہ ہنگامِ سحر کیا ہوگا
توڑ دیں عہد نہ تلواروں کے کھانے والے
کہیں پھر جائیں نہ بھائی کے بچانے والے

(۳۷)

ناصروں نے جو سنا یہ بنِ نافع کا بیاں
تہلکہ پڑ گیا اک حشر ہوا رن میں عیاں
جس طرح جو تھا وہ اُس طرح ہوا اٹھ کے رواں
تیغیں ہاتھوں میں تھیں اور قلب تھے پہلو میں تپاں
یہ صدا میں تھیں، نہیں موت کا کچھ غم ہم کو
جان پیاری نہیں شہزادی عالم ہم کو

(۳۸)

یہ صدا دیتے ہوئے تا بہ در آئے انصار
ہم نہ توڑیں گے کبھی وہ جو کئے ہیں اقرار
کہیں چھٹ سکتی ہے نعلینِ شہِ نیک شعار
حلق پر اپنے جو کہیئے تو پھرا لیں تلوار
جانیں دے دیں گے شہِ دیں کی حفاظت کے لئے
سر ہتھیلی پہ لئے بیٹھے ہیں نصرت کے لئے

(۳۹)

گردنیں رکھ دیں جو تیغوں کی اُپی ہوں دھاریں
قتل ہو جائیں کہ بچ جائیں، نہ ہمت ہاریں
جب تلک ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں تلواریں
جس کو کہہ دیجئے بڑھ کر اُسے رن میں ماریں
کون ذبحِ شہِ مظلوم کو آ سکتا ہے
زندہ ہم ہیں تو کوئی ہاتھ اٹھا سکتا ہے

(۴۰)

اے رفیقان و محبانِ شہِ ہر دو سرا
جس نے جو منہ سے کہا آہ وہ تا مرگ کیا
اتنا ذاکر سے بتا دیجئے از بہرِ خدا
آپ زندہ نہ رہے جب تو جہاں میں ہوا کیا
عصر کو حشر بپا ظلم کے جنگل میں ہوا
جس پہ دل تھے سپریں ذبح وہ مقتل میں ہوا

(۴۱)

ہائے جو دل تھا وہ اک حشر کن وادیِ جنگ
کہیں پیری تو کہیں جوشِ جوانی کی امنگ
ایک اک پر نہ اجل کرتی زمانہ کو جو تنگ
ہر جری اپنے ارادے پہ جما لایا تھا رنگ
فوج روکے رہے ہمت کے دکھانے والے
ظہر تک شہ کو بچا لائے بچانے والے

(۴۲)

اُن دلوں میں مجھے اک دل کا بیاں کرنا ہے حال
پہلوئے سروِ دیں میں جو رہا تا بہ زوال
رن میں جس کو بڑی مشکل سے ملا اذنِ جدال
جس نے بکھرا دیئے سیدانیوں کے چہروں پہ بال
سبقت کر جو گئے دہر سے جانے والے
جیتے جی مر گئے میت کے اٹھانے والے

(۴۳)

صبحِ عاشورِ محرم جو ہوئی رن میں عیاں
ہوا صف بستہ ادھر دشت میں انبوہ گراں
ہوئے تیار ادھر فوجِ حسین کے جواں
نکلے وہ جنگ کو جو دے چکے تھے شب کو زباں
زندگی ختم ہوئی حالِ جگر غیر ہوا
ہو گئے شہ پہ فدا خاتمہ بالآخر ہوا

(۴۴)

نہ رہا ظہر تلک شاہ کا لشکر باقی
ساتھ روحوں کے تنوں پر نہ رہے سر باقی
اب نہ قاسم ہیں نہ ہیں عون نہ جعفر باقی
رن میں عباس ہیں یا ہیں علی اکبر باقی
کر کے ضد شہ سے علمدار نے رخصت پائی
بھائی سے بھائی نے مشکل سے اجازت پائی

(۴۵)

کب سے آئے ہوئے ہیں خیمہ میں باقلبِ حزیں
دیر سے بیٹھے ہیں ہمیشہ شہ دیں کے قریں
وہ یہ کہتی ہیں، بہن چھوٹ کے جینے کی نہیں
عرض یہ کرتے ہیں روکے تو کوئی لشکر کیں
وہ یہ کہتی ہیں نہ تم ہو گے تو آفت ہوگی
عرض یہ کرتے ہیں بابا سے خجالت ہوگی

(۴۶)

باپ کا نام جو عباس سے زینبؑ نے سنا
دل پہ صدمہ ہوا یاد آگئے ضرغامِ خدا
دے کے بھائی کو رضا رن کی بہن نے یہ کہا
ہائے بابا نے جو ارشاد کیا تھا وہ ہوا
اپنی تقدیر پہ آوارہ وطن رونے لگی
چھوٹے بھائی سے یہ فرما کے بہن رونے لگی

(۴۷)

عرض کرنے لگے زینبؓ سے یہ عباسؓ جواں
گر مناسب ہو تو ارشادِ پدر کیجئے بیاں
بولی دل تھام کے یہ خواہر سلطانِ زماں
کیفیت ہے وہ لڑکپن کی جو کرتی ہوں بیاں
زانوئے شہ پہ جگہ بخت سے پائی بھائی
میں جو نزدیک پدر کھیلتی آئی بھائی

(۴۸)

مجھ کو زانو پہ بٹھا کر یہ ہوا دل پہ اثر
فکر کچھ تھی تو بھرا آتا تھا ہر دیدہ تر
چومتے جاتے تھے بازو کو شہ جن و بشر
میں نے کی عرض دل و جاں سے میں قربانِ پدر
آپ روتے ہیں تو تھمتے نہیں آنسو میرے
چومتے ہیں شہ دیں کس لئے بازو میرے

(۴۹)

کیا ارشاد کہوں کیا سببِ رنج و محن
گھر سے شبیرؓ کو بلوائیں گے اک دن دشمن
بھائی سے چھوٹ کے رہ جائے گی تنہا جو بہن
باندھیں گے ظلم کے بانی اسی بازو میں رسن
دردِ دل بڑھ جو گیا جانِ حزیں کھونے لگے
کہہ کے یہ اور شہنشاہِ امم رونے لگے

(۵۰)

عرض پھر میں نے یہ کی تھی جو زیادہ دلگیر
جس کے اٹھارا ہوں بھائی وہ بہن ہوگی اسیر
آج عباسؓ وہ بگڑی ہوئی دیکھو تقدیر
ہائے اس اُجڑے ہوئے بن میں ہو تم یا شبیرؓ
موت لے آئی ہے دنیا سے گزرنے کے لئے
دونوں آمادہ ہیں پردیس میں مرنے کے لئے

(۵۱)

وہی پیش آیا جو تھا قولِ جناب حیدرؓ
کیوں نہ برگشتگی بخت سے دل ہو مضطر
پس شہ آئے گا غارت کے لئے لشکرِ شر
اب یقین ہو گیا زینبؓ کو کہ کھل جائے گا سر
غمِ دوری پہ بصد رنج و محن رونے لگی
اپنی تنہائی پہ ناشاد بہن رونے لگی

(۵۲)

یہ صدا دی جو بڑھا جوشِ یم دیدہ نم
ہائے تم کیا اسے سمجھو کہ جو ہے قلب پہ غم
اپنے جینے کا جہاں میں تھا سہارا یہی دم
پھر ملو یا نہ ملو دل سے لگا لیں تمہیں ہم
جس سے ہم قید نہ ہوں وہ نہیں چارا کوئی
نہ رہا وادیِ غربت میں ہمارا کوئی

(۵۳)

جاں کوئی دشت میں دے داغ جگر لے کوئی
دل پہ کیوں میرے تڑپنے کا اثر لے کوئی
نہیں اتنا کہ جو آغوش میں سر لے کوئی
خیر بہتر ہے بہن کی نہ خبر لے کوئی
منہ سے وہ بھی نہ کہیں گے جو جفا ہے بھائی
ایسے جنگل میں ہمارا بھی خدا ہے بھائی

(۵۴)

دید عباسؓ کو ہمیشہ تمنا سمجھی
دہنی جانب انہیں بٹھلا کے کلیجا سمجھی
درد بڑھ جانے سے بھائی کو مسجا سمجھی
اذن دے کر نہیں معلوم بہن کیا سمجھی
وہ کیا عزم کہ خود دل کی دعائیں لے لیں
چہرے کو چھوڑ کے بازو کی بلائیں لے لیں

(۵۵)

سب سے مل کر جو علمدار چلے جانب در
پیچھے پیچھے چلیں سیدانیاں کھولے ہوئے سر
نکل آیا جو جری خیمہ شہ سے باہر
اپنا سر پیٹ کے چلائی یہ بنت حیدر
داغ تم اپنی جوانی کا دیئے جاتے ہو
روحیں سیدانیوں کی ساتھ لئے جاتے ہو

(۵۶)

دفعۃً یہ نکل آئے جو مکاں کے باہر
آئینہ رخ کی تجلی سے جو تھا پردہ در
جستجو کرتی رہی حضرت زینب کی نظر
اب اُدھر عکس ہے چہرے کا جو پہلے تھا اُدھر
حال کھل جاتا ہے جس وقت نظر پڑتی ہے
کدھر آئینہ ہے اور چھوٹ کدھر پڑتی ہے

(۵۷)

آئے ہنستے ہوئے نزدیک شہ عرش وقار
بولے شہزادیوں سے مل گیا اذن پیکار
کہا بہتر ہے، سدھارو سوئے فوج کفار
بھائی سے مل کے ہوئے اسپ صبا دم پہ سوار
پشت مرکب پہ بصد عزت و تمکین آیا
نور عین اسد اللہ سر زیں آیا

(۵۸)

رخ جری نے جو کیا جانب افواج جفا
کھل گیا اسپ سبک دم پہ ارادہ دل کا
رن میں مشہور بھی پہلے سے جو گھوڑے کی ادا
باگ لی آپ نے میدان ہمہ تن چشم بنا
بار صرصر سے نہ آزاد نفس کا اٹھا
آنکھ ذروں کی کھلی، پاؤں فرس کا اٹھا

(۵۹)

منکشف ہونے لگے تیز روی کے آثار
نعلیں ہر گام پہ ضو دیتی چلیں صاعقہ وار
منقلب کرنے لگی رن میں فرس کی رفتار
خاک پر تھے کبھی ذرے کبھی ذروں پہ غبار
جو پڑا پاؤں دھمک تا سر ماہی آئی
لیجئے عنصرِ خاکی پہ تباہی آئی

(۶۰)

گرد وہ تا بہ فلک ہے جو اٹھی تھی کم کم
تہہ و بالا ہیں ہوائیں تو جہاں ہے برہم
خاک اڑاتا ہوا جاتا تھا جو پڑتا تھا قدم
بڑھتی ہی جاتی ہے تاریکی میدانِ ستم
دن کو تارے نظر آنے لگے آفت کردی
چھوٹ کھائے ہوئے ذروں نے قیامت کردی

(۶۱)

کبھی گیتی پہ گراں دوش صبا پر کبھی بار
اک جگہ خاک کو لینے نہ دیا رن میں قرار
کھیلتا جاتا تھا میدانِ ستم میں رہوار
منتشر تھا یوں ہی عالم میں ہواؤں سے غبار
بیٹھ سکتے ہیں کہیں ٹھوکریں کھانے والے
آگئے خاک میں خاک اور ملانے والے

(۶۲)

گرد نے اُڑ کے کئے ضو کے قبالے کالے
پردے گیتی نے در چرخ پہ ڈالے کالے
عکس سے ہو گئے لشکر کے رسالے کالے
خاک پر خاک ہے یا ابر ہیں کالے کالے
ساتھ گھوڑے کے ہوا بال کی باندھی آئی
غل ہے میدان میں بڑے زور سے آندھی آئی

(۶۳)

جزر و مد ہے یم سرعت سے عیاں ہیکل میں
ضو فگن جلد ہے یوں خاک سرِ مقتل میں
بجلیاں کوندتی ہیں اڑتے ہوئے بادل میں
سم کو گردش ہے بگولے کی طرح جنگل میں
برہم آزادیوں سے طبع خردمند ہوئی
کیا تماشا ہے کہ کاوے میں ہوا بند ہوئی

(۶۴)

ہو ہوا دشت میں یا ہو فرسِ برق نظیر
اس میں کیا رشک ہے ہو جس سے موافق تقدیر
اپنا اپنا دمِ رفتار ہے حسنِ تدبیر
خود تو آزاد رہا کر دیا صرصر کو اسیر
رن میں ٹالے نہ ٹلی سر سے بلا آئی ہوئی
جو بگولا ہے وہ زنجیر ہے بل کھائی ہوئی

(۶۵)

بحر ہو، بر ہو، گلستاں ہو کہ ہو چرخ بریں
نہ گیا ہو جہاں گھوڑا وہ جگہ کوئی نہیں
حلقہ نعل سے آزادیاں ممکن ہی نہیں
جو زمانے کا تغیر ہے وہ ہے زیرِ نگین
گردشوں کا کوئی ارمان نکلتا ہی نہیں
جب تک یہ نہ چلے رنگ بدلتا ہی نہیں

(۶۶)

کس قدر تیز رواں ہے فرسِ برق شیم
جو تصور میں بھی زائد تھے وہ جادے ہوئے کم
چال میں ہیں دمِ رفتار یہ ضدین بہم
آگ دیتا ہے جو ٹھکراتا ہے پانی سے قدم
جادہ موج پہ جاتا ہے شرارے کی طرح
سم سے دریا میں حباب اڑتے ہیں پارے کی طرح

(۶۷)

جرم کرتا نہیں رہوار کسی کا بھی معاف
قید اسے کر دیا پایا جسے تیزی کے خلاف
آبوں کی ہے ہر اک آہ مکینِ دلِ صاف
ہے تعجب تو اسی کا کہ نہ در ہے نہ شگاف
کھنچے جو نقش سرِ بحر انہیں بھر آیا
کس طرح بند حبابوں میں ہوا کر آیا

(۶۸)

لے چلی ہے سوئے گردوں جو اڑا کر صرصر
عکس رہوار نے میداں میں یہ ڈالا ہے اثر
لوٹی جاتی ہے اگر گرد پہ پڑتی ہے نظر
سبزی جلد سے ہے خاک کی دھانی چادر
وحشیوں کی ہے وہ وحشت جو پکار آئی ہے
اڑ رہی ہے یہ خبر رن میں بہار آئی ہے

(۶۹)

دلِ عشاق پہ کب تک یہ تعدی یہ ستم
دے رہے ہیں ترے اُلجھے ہوئے گیسو کی قسم
وہ اٹھالے ارے جو ناز سے رکھا ہے قدم
غنچہ نقشِ قدم دیکھیں گے ہنستے ہوئے ہم
کچھ وہی جانتے ہیں جن پہ بلا آتی ہے
کھلنے والی جو کلی ہے وہ دبی جاتی ہے

(۷۰)

آ رہی ہیں یہ حسینوں کی صدا میں پیہم
دیکھنے والوں پہ ہیں (پاؤں کی پتلی کے ستم)
تجھے کاہے کو خبر ہوگی جو بسمل ہوئے ہم
چوٹ پڑتی ہے کلیجہ پہ جو اٹھتا ہے قدم
خاک تن سے کہ قبائے سفری اُتری ہے
نعل میں ضو ہے کہ شیشے میں پری اُتری ہے

(۷۱)

مہندی ملنا ہے حسینوں کا جہاں میں شیوا
ارے او ظلم کے بانی تجھے زینت سے ہے کیا
پاؤں میں خونِ جگر بٹ گیا شاہد ہے ادا
سرخ ہے نعل کہ کترے ہوئے ناخن پہ حنا
جس جگہ پاؤں دم گرم روی ڈالے ہیں
نعل کے نقش نہیں آگ کے پرکالے ہیں

(۷۲)

کر گئی تھی جو زمانے میں تغیر تری چال
کچھ دنوں ہو نہ سکا دہر میں فرقِ مہ و سال
اس سے بہتر نہ ملی اوج پہ نعلوں کی مثال
خوں میں ڈوبے ہوئے نکلا کئے گردوں پہ ہلال
جلوہِ مہ نہ ہوا چرخ پہ نابود رہا
آسماں چار مہینہ شفق آلود رہا

(۷۳)

کبھی آغازِ روانی تھا کبھی تھا انجام
اس طرح پڑ رہے تھے دشت میں بڑھتے ہوئے گام
رن میں یوں منزلیں ہوتی تھیں مسافر کی تمام
اولِ صبح کبھی تھا تو کبھی اولِ شام
چال سے رنگ زمانے کا بدل جاتا تھا
ہر قدم ختم مسافت کی خبر لاتا تھا

(۷۴)

طے ادھر کر رہا تھا تیزی و سرعت سے یہ راہ
لی تھی صرصر نے ادھر گرد کے دامن میں پناہ
اس طرف تھی نگراں دیر سے کوفہ کی سپاہ
رن میں تھی الجھی ہوئی خاک کے پردے سے نگاہ
رنگ رفتار کا نظروں میں سماتا ہی نہ تھا
جس کو دل ڈھونڈتے تھے وہ نظر آتا ہی نہ تھا

(۷۵)

دیر کے بعد کھلی حالت میدانِ ستم
ایک سے اک یہ بیاں کرنے لگا کھا کے قسم
عکس دیتا ہوا آتا ہے وہ رن میں پرچم
دھانی دھانی ہے جہاں خاک، وہیں پر ہے علم
چادرِ گرد ہے اُلٹی ہوئی مسند کی طرح
زرے دیکھو وہ چمکتے ہیں زبرد کی طرح

(۷۶)

رنگِ فنی رعبِ غضنفر سے سموات کا ہے
عزمِ میدان میں دشمن کی ملاقات کا ہے
رخ کے تیور یہ بتاتے ہیں دھنی بات کا ہے
جنگ کا جوش ہے یا جاگا ہوا رات کا ہے
ہر بگولے کی طرح زلف کو پھیر آتا ہے
رن میں انگڑائیاں لیتا ہوا شیر آتا ہے

(۷۷)

نشہِ جوشِ جوانی سے ہراک آنکھ ہے مست
کھائی ہے غیظ بھرے رخ سے زمانے نے شکست
لے کے رہوار کو اڑ آئے اسد گر کرے جست
دل کو کھینچے لئے جاتی ہے دو زانو کی نشست
غیظ رہوار کو بھی رنگ پہ لائے ہوئے ہے
شیراک صید کو رانوں میں دبائے ہوئے ہے

(۷۸)

تیز بے حد ہے جو میداں میں جری کا رہوار
کوند جاتا ہے نگاہوں میں فرس صاعقہ وار
تنبیخِ پر آب کو ممکن نہیں کاٹھی میں قرار
جھولے لیتے ہوئے آتی ہے کمر کی تلوار
لطف دکھلا رہی ہے ہوش کی کھونے والی
خود تلاطم میں ہے بیڑے کو ڈبونے والی

(۷۹)

ذکر یہ تھا جو فرس آگیا فوجوں کے قریں
اک طرف بیٹھ گئی وہ جو ہوا پر تھی زمیں
عشق اور حسن سے گزری تھی جو عالم میں کہیں
وہ نگاہوں کو تجلی نظر آئی سر زیں
چھوٹ بجلی کی پڑی اسلحے ضو دینے لگے
عکس رخسار سے چار آئینے لو دینے لگے

(۸۰)

محو دید رخ روشن تھی ادھر فوج ستم
اُس طرف تھمنے ہی کو تھا فرس برق شیم
جتنے پھیلے ہوئے جادے تھے ہوئے اتنے ہی کم
ختم منزل ہوئی جب بڑھ کے پڑے چار قدم
متصل آ جو گئی تند نفس روک لیا
رن میں چکار کے غازی نے فرس روک لیا

(۸۱)

تھم کے دم بھر یہ پکارا شہِ مرداں کا پسر
جانتے ہو کہ نہیں، کس کا ہوں میں نورِ نظر
کون ہے بعدِ نبی، خلق میں سب سے بہتر
کس کو کہتے ہیں جری، فاتحِ جنگِ خیبر
کچھ خبر ہے جو دمِ لغزش پا کہتے ہیں؟
دوست دشمن کبھی گرتے ہیں تو کیا کہتے ہیں؟

(۸۲)

جو رہا قوتِ بازوئے پیہر وہ علیؑ
جس نے پسپا کئے ہیں کفر کے لشکر وہ علیؑ
جس کے حملوں نے بگاڑے ہیں مقدر وہ علیؑ
تہہ و بالا کیا جس نے درِ خیبر وہ علیؑ
کون تھا اتنا قوی شاہِ جّازی کی طرح
چرخ پر پھینک کے روکا گلِ بازی کی طرح

(۸۳)

جو رہا شارعِ احکام رسالت وہ علیؑ
جس کی مشہورِ دو عالم تھی سخاوت وہ علیؑ
جس سے ہے زینتِ محرابِ عبادت وہ علیؑ
خاص کعبہ میں ہوئی جس کی ولادت وہ علیؑ
اس سے بہتر نہ شرف ہوگا بشر میں پیدا
ہوا مولود یہ اللہ کے گھر میں پیدا

(۸۴)

حق نے بخشا جنہیں فردوسِ (منعم) وہ علیؑ
ہوئے اسرارِ لدنی سے جو محرم وہ علیؑ
بعدِ احمد ہیں جو خلقت سے مقدم وہ علیؑ
جو رہے زینتِ پیشانیِ آدمؑ وہ علیؑ
نورِ حیدر کا جو ہنگامِ نظارہ چمکا
خاک کا پیکرِ آدمؑ میں ستارہ چمکا

(۸۵)

جس نے منوا دئے احکامِ شریعت وہ علیؑ
جس نے بدلی ہے زمانے کی طبیعت وہ علیؑ
جس نے پائی ہے سرِ عرش کی رفعت وہ علیؑ
جس نے مس پاؤں سے کی مہرِ نبوت وہ علیؑ
دوشِ احمدؑ پہ جو جبریل کا اُستاد آیا
جب قدمِ کعبہ میں دیکھے تو خدا یاد آیا

(۸۶)

جس کے انسان و بنی جاں پہ ہیں احساں وہ علیؑ
جس کے ہیں لوح و قلم تابعِ فرماں وہ علیؑ
جس کا دم بھرتے ہیں عالم میں مسلمان وہ علیؑ
جس کے بازو نے قوی کر دیا ایماں وہ علیؑ
حق کو باطل سے زمانے میں جدا کہنے لگے
لب پہ جن جن کے صنم تھا وہ خدا کہنے لگے

(۸۷)

جس نے کی شاہ رسالت کی وزارت وہ علیٰ
حکم جس کا ہے ترازوئے عدالت وہ علیٰ
حق نے جس سر کو دیا تاجِ امامت وہ علیٰ
جو رہا زیبِ دہِ تختِ خلافت وہ علیٰ
تُحَفِ اللہ کے جبریل تھے لانے والے
سبقت لے گئے ہاشم کے گھرانے والے

(۸۹)

تھے ادھر محوِ ثنا رن میں علمدارِ جری
تیر سر کر کے کمانوں نے ادھر آہ بھری
نظر آئی جو خدنگوں کی یہ آشفۃ سری
لے کے انگڑائی چلی میان کے شیشے سے پری
حسن اک پردہ نشیں کا قمر آرا چکا
سحرِ حشر کا میداں میں ستارا چکا

(۸۹)

صبر کیا بے ادبی پر کریں نازوں کے پلے
بل وہ ابرو پہ پڑے جو نظر آتے ہیں بھلے
فوج بڑھ آئی ادھر باڑھ پہ رکھنے کو گلے
آپ ادھر چوم کے تلوار کے قبضے کو چلے
تیغ کہنے لگی اعدا سے فسانہ اُلٹا
آستینیں جو اُلٹ لیں تو زمانہ اُلٹا

(۹۰)

لڑنے آیا جو لعیں جاں سے وہ بیزار آیا
صفتِ برق، فرسِ جانبِ کفار آیا
حق تعالیٰ کا غضب بہرِ گنہگار آیا
صفِ اول پہ بڑے غیض میں جرار آیا
کھا کے بل دوش پہ گیسوئے سیہ چھوٹ گئے
خون میں جوش بڑھا، بندِ قبا ٹوٹ گئے

(۹۱)

رن میں شمشیرِ غضنفر کا انوکھا ہے یہ ڈھنگ
سیکڑوں سے تن تنہا ہے وغا کا آہنگ
یہ نڈر ہے کہ نہ ہے خوف نہ دہشت دمِ جنگ
قہر ہوتی ہے زمانے سے جوانی کی امنگ
سینہ تانے ہوئے رن میں پئے پیکار چلی
فوجِ دشمن پہ اکڑتی ہوئی تلوار چلی

(۹۲)

قابلِ عفو اگر ہوں تو بجل کر دے قصور
چاہئے تھا تجھے بے دردیوں میں رحم ضرور
مئے دو آتشہ حسنِ جوانی سے ہے چور
پہلے ہی وار میں ظالم یہ کرشمے، یہ غرور
جال تیرا ترے گیسو نے سمٹ کر دیکھا
جس کی جاں لے لی اُسے پھر نہ پلٹ کر دیکھا

(۹۳)

حسن کی شمع دمِ جنگ و جدل جلنے لگی
خون رخسار پہ غازی کی طرح ملنے لگی
سرِ عشاق سے راحت کی گھڑی ٹلنے لگی
امتھاں گاہِ محبت میں چھری چلنے لگی
اتنے بے خود تھے بلا حسن کی لینے والے
سبقت کرنے لگے جان کے دینے والے

(۹۴)

تیغ پر ہے دلِ عشاق کی سوزش کا اثر
خون پینے سے اُبھر آئے ہیں تن پر جوہر
کون کہتا ہے کہ رکھتی نہیں عاشق کی خبر
رحم آ جاتا ہے ہو حال اگر نوعِ دگر
اس کا رکھتی ہے نشاں جس کو ستائے ہوئے ہے
دل کے چھالوں کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہے

(۹۵)

ہیں فدا حسن پہ دنیا سے گزرنے والے
دل کو تھامے ہوئے ہیں آہ کے بھرنے والے
چشمِ جوہر سے گلے کرتے ہیں کرنے والے
اک اشارے کے گنہگار ہیں مرنے والے
سرگیں آنکھ کی تاثیر اٹھائی نہ گئی
دل کی تھی چوٹ تو عشاق سے کھائی نہ گئی

(۹۶)

رن میں بکھرائے ہوئے دوش پہ گیسو آئی
چشمِ جوہر سے بہاتی ہوئے آنسو آئی
پرتو رخ سے نہ راحت کسی پہلو آئی
کشتی تن وہ ہوئی غرق، جسے چھو آئی
تھا جو جوشِ یمِ خوں تیغ کا سینہ ڈوبا
غل ہے، ٹکرا کے سفینہ سے سفینہ ڈوبا

(۹۷)

جب گری تیغ، اُبلتا ہوا اٹھا پانی
ہو گیا ڈوبنے والوں کو مسیحا پانی
جوش، ہنگامِ وغا کھاتا ہے کیا کیا پانی
فوج کے فرق سے اک ہاتھ ہے اونچا پانی
ڈوب جاتے ہیں تو گردش کا اثر پڑتا ہے
سر پہ تلوار کے جوہر کا بھنور پڑتا ہے

(۹۸)

تھا نہ ہنگامِ وغا تیغِ جری کا ثانی
جس پہ آئی اُسے غم دے کے گئی روحانی
تھے دمِ جنگ عجب طرحِ ستم کے بانی
زرہیں تھیں گرمیِ رفتار سے پانی پانی
جب گری سر پہ پسینہ میں نہا کے اٹھی
آج تلوار کی لوہے کو گلا کے اٹھی

(۹۹)

دلِ عشاق پہ جب تک رہی وہ ظلمِ شعار
خود اٹھائے رہی رن میں تنِ مجروح کا بار
اس کی شوخی کے کرشمے نہ ہوئے کچھ اظہار
کیا بنائے گی کہیں اپنے شہیدوں کے مزار
مرنے والے دلِ گیتی کو ہلا کے اٹھے
تیغ کی باڑھ پہ لاشے شہدا کے اٹھے

(۱۰۰)

ہے کہیں ناز جدا اور کہیں انداز جدا
دلِ مجروح کو تلوار کی بھاتی ہے صدا
جب گری قتل کیا، جب یہ اٹھی ذبح کیا
آئی جس سر پہ، لیا اپنی جوانی کا مزا
صفیں اعدا کی دمِ جنگ مکرر کاٹیں
عمریں تلوار نے انگڑائیاں لے کر کاٹیں

(۱۰۱)

یوں نہ خالی یہ کریں گے کبھی دنیا کے مکاں
چارہ گر ہو کوئی جس وقت یہ ہوں زیں پہ تپاں
ہو نگہاں کوئی رن میں پئے حفظِ زیرِ جاں
گرنے والوں کے لئے چاہئے اتنے سماں
جب جہاں سے یہ اٹھیں حشر اٹھا کے اٹھیں
تیغ کا ہاتھ اٹھے پاؤں قضا کے اٹھیں

(۱۰۲)

آ رہی ہیں یہ غضنفر کی صدائیں ہر بار
ہے بہادر کوئی اتنا کہ جو رو کے تلوار
جلد اب ختم کرو دشتِ وغا کی پیکار
شیر بگڑا ہوا ہے چھوڑ دو دریا کی کچھار
چند بچے تھے مُصر نہر پہ جانے کے لئے
مشک بھرنا ہے ہمیں پیاس بجھانے کے لئے

(۱۰۳)

لڑنے وہ آئے، ہو جس سر میں شجاعت کا غرور
تیراڑتے ہوئے چلوں سے کمانوں کے ہیں دور
سپروں میں نہ ضیائیں ہیں نہ چھالوں میں ہے نور
پرتو حسن سے جل کر یہ ہونیں صورتِ طور
خلق میں وجہ پراگندگی ظالم ہوں
ڈھالیں شاہد ہیں کہ میں ماہِ بنی ہاشم ہوں

(۱۰۴)

کون تھم سکتا ہے رن میں دمِ جوشِ غضبی
ہوں میں ہی زیبِ وہ مسندِ عالیِ نبی
ہیں چچا میرے زمانے میں رسولِ عربی
خلق کہتی ہے مجھے ہاشمی و مطلبی
ضو فکن مہر کے مانند حسب ہے میرا
سارے عالم میں ابو الفضل لقب ہے میرا

(۱۰۵)

کب تک لڑتے ہیں ہنگامِ وغا اہلِ حسد
قلب کو دیر سے دریا کی ترائی کی ہے کد
اور چاہیں جسے بلوا لیں اُسے بہرِ مدد
کہیں رُک سکتا ہے میدان میں شغالوں سے اسد
میرے ہی باپ کو خالق کا ولی کہتے ہیں
شیر وہ ہوں، جسے عباس علی کہتے ہیں

(۱۰۶)

تہلکہ ڈالے ہوئے تھا سپر شیرِ الہ
تہہ و بالا تھی ہر اک ضرب پہ میدان کی سپاہ
غیظِ آلود وہ چتون کہ نہ تھی جس کی پناہ
خوں چھلک جاتا تھا جس زخم پہ پڑتی تھی نگاہ
تیوریاں خون کے دریا کو چڑھا دیتی تھیں
پتلیاں دورِ جراحت کو بڑھا دیتی تھیں

(۱۰۷)

ہے جو بے حد غضبِ بازوئے شاہنشہ دیں
کروٹیں لے رہی ہے گرد کے پردے میں زمیں
رن میں ضودی ہوئی تیغ ہے ہر سر کے قرین
بال سی دھار میں جکڑا ہوا ہے لشکرِ کیں
بڑھ نہ سکتے تھے نہ فوجوں کے قدم ہٹتے تھے
تیغ جس سمت کو چلتی تھی گلے کٹتے تھے

(۱۰۸)

رشتہ تیغ سے وابستہ ہے کل فوجِ گراں
اُس سے آگاہ ہے تلوار عیاں ہو کہ نہاں
چھوڑ دے خود پہ جسے رن میں وہ پاتا ہے اماں
بچ نہیں سکتا کوئی وقتِ وغا دشمنِ جاں
اس کا کتبہ ہے جو لکھا ہوا تقدیر میں ہے
جو جہاں ہے نگہ جوہرِ شمشیر میں ہے

(۱۰۹)

بُرش تیغ سے بچتے تھے نہ گھوڑے نہ سوار
آسمان کو نہ سکوں تھا نہ زمیں کو تھا قرار
خاک و خوں مل گئے یوں دشت میں وقتِ پیکار
چھینٹیں اُڑتی تھیں لہو کی اگر اُڑتا تھا غبار
رن میں ڈھانکے ہوئے تھی تن کی خرابی چادر
خاک آلود تھی مجروحِ گلابی چادر

(۱۱۰)

شیرِ لشکر پہ جھپٹتا تھا ادھر اور ادھر
اک کو گر چھوڑ دیا ایک کی لی بڑھ کے خبر
کبھی فوجوں کو دبایا کبھی مارے افسر
میمنہ رن میں نہ سالم تھا نہ قلبِ لشکر
یوں جواں مردیوں سے تیغِ شرر بار چلی
کھنچ کے آئی جو نہ کاٹھی میں وہ تلوار چلی

(۱۱۱)

قوتِ بازوئے غازی کا نہ تھارن میں جواب
تھی ہر اک ضرب پہ مٹی سپہ کیس کی خراب
دل یہ کہتا ہوا جاتا تھا دمِ جوشِ عتاب
پھر وہی وار، وہی غیظ، وہی زورِ شباب
روح کے صید رہیں دام میں تڑپائے ہوئے
منے پائیں نہ ابھی زلف کے بل آئے ہوئے

(۱۱۲)

خبرِ برہی طبع بتاتی ہے نگاہ
فوجِ پاسکتی ہے اس سمت نہ اُس سمت پناہ
رن میں لے آئے ہیں کاوے میں بصد عزت و جاہ
بچ میں نقطہ پرکار کی صورت ہے سپاہ
جتنا لشکرِ برش تیغ سے کٹ جاتا ہے
اُس قدر وقتِ وغا دائرہ گھٹ جاتا ہے

(۱۱۳)

دمِ بدم پیکِ قضا خون پئے جاتا ہے
زخم پر زخم جری رن میں دیئے جاتا ہے
امتحانِ سپہِ ظلم کئے جاتا ہے
یوں سمیٹے ہوئے فوجوں کو لئے جاتا ہے
رن میں اعدا پہ بلا تیغ کی آئی ہوئی ہے
جس قدر بھیڑ ہے پتلی میں سمائی ہوئی ہے

(۱۱۴)

رن میں چل سکتا نہیں تیغِ جری سے قابو
نیم بسمل تو کوئی نیم بریدہ ہے گلو
موت آنے سے تماشا ہے ہر اک عربدہ جو
ہیں جدھر اسلحے، بہتا ہے اُسی سمت لہو
جب ہوا چلتی ہے مل مل کے ستمگروں سے
خون نکراتا ہے ٹوٹی ہوئی تلواروں سے

(۱۱۵)

ہوش کھوئے ہوئے ہے یوں سپہِ ظلم شعار
اپنے ہی جسم پہ پڑ جاتی ہے اپنی تلوار
تیغیں آپس میں جوڑ جاتی ہیں وقتِ پیکار
اس قدر وقتِ وغا گونج رہی ہے جھنکار
طبل کی رن میں دھک ہوش اڑا جاتی ہے
باجے بجتے ہیں تو تیغوں کی صدا آتی ہے

(۱۱۶)

دہشتِ جاں سے کوئی بھر نہیں سکتا نالے
سرنگوں خاکِ مذلت پہ پڑے ہیں بھالے
رن سے یوں بھاگ گئے جان کے دینے والے
نظر آتے ہیں نشاں دور پہ کالے کالے
تیغِ راغب ہے تن و سر کی جدائی کی طرف
بادل اُمنڈے ہوئے جاتے ہیں ترائی کی طرف

(۱۱۷)

اچھے ہوں گے نہ تنِ فوج کے گھرے ہیں جو گھاؤ
جتنا بڑھ آیا تھا میداں میں گھٹا اُتنا جماؤ
ڈوبنے جاتی ہے دریا کی طرف فوج کی ناؤ
کوئی کہہ دے پسرِ سعد سے لیتا ہے پڑاؤ
منتشر ہو جو گئیں دور وہ باتیں پہنچیں
سم سے لپٹی ہوئی دریا پہ قاتیں پہنچیں

(۱۱۸)

اس تلاطم میں جو تھا ہوش وہ کھوئے ہوئے تھا
چار چوبوں پہ جب آتی تھی ہواؤں سے بلا
منقلب ہونے سے بھی لطف دکھاتے تھے نیا
پائی خالی جو جگہ کر لیا رن پر قبضہ
تیغِ بیداد سے دامنِ زمیں پھاڑ دیئے
رن میں اُلٹے ہوئے خیموں نے کس گاڑ دیئے

(۱۱۹)

بدحواسی کا برا ہو، نہیں اس پر بھی خبر
کس کا برباد ہوا نے کیا، چھوٹا ہوا گھر
اب تو فکر اس کی ہے ہوتی سے جاں کا نہ ضرر
نہر چھن جائے کہ بچ جائے، ملے جائے مفر
دل کی حسرت ہے کہ یوں دارِ جہاں میں چھپ جائیں
درکھلے ہوں تو حبابوں کے مکاں میں چھپ جائیں

(۱۲۰) (ساقی نامہ)

غیظ میں ہے جو دل و جانِ امامِ اوّل
کسی پہلو نظر آتی ہی نہیں فوج کو کل
بارشِ خون سر تیغ بھرے گی جل تھل
کھل نہ جائیں کہیں دریا پہ برس کر بادل
بہرِ زخم اُلی ہوئی آنکھ کے دورے لے لوں
مئے کے پینے کو حبابوں کے کٹورے لے لوں

(۱۲۱)

رنگ مرغوب ہے ہنگامِ جوانی دھانی
فصلِ بارش میں ہے موسم کی نشانی دھانی
مئے کے ہوتے میں پیوؤں کا ہے کو پانی دھانی
کالی کالی ہے گھٹا جام ہوں دھانی دھانی
دل سے اُٹھتے نہیں اندازِ ستمگاری کے
پھائے زخموں پہ چڑھا مرہمِ زنگاری کے

(۱۲۲)

بامِ امید سے خالی نہیں جاتی ہے کمند
تیری محفل میں ترے رند کے رتبے ہیں بلند
یہ درِ میکدہ کا مجھ کو طریقہ ہے پسند
آنکھ کھولوں تو کھلے، بند کروں گر تو ہو بند
جو کڑی ہے مرے آنسو کی کڑی ہے ساقی
نگہ شوق کی زنجیر پڑی ہے ساقی

(۱۲۳)

وہ مجاہد ہے کہ کرتا ہے خدا جس کی مدد
کون وہ وار تھے غازی نے کئے تھے جو نہ رد
دیر تک دھوپ میں کھیلا ہے شغالوں سے اسد
فتح میدان سے پائی ہے بصدِ کوشش و کد
آ گیا رن کی لڑائی میں پسینہ ساقی
آج دریا پہ چلے مئے کا سفینہ ساقی

(۱۲۴)

ایک تلوار نے کھو دی ہے ہزاروں کی امنگ
لبِ دریا ہے سپہ شیر کے غصّہ سے بتنگ
دمدمِ حشر کے حملہ ہیں ترائی کی ہے جنگ
دیکھ وہ آئینہ آب میں اُڑتا ہوا رنگ
مر کے ڈوبیں گے سپاہی میں جیوؤں گا ساقی
بادۂ خمِ غدیر آج پیوؤں گا ساقی

(۱۲۵)

جام میں دیکھ رہا ہوں سپہ خانہ خراب
سرِ ظالم پہ وہ تیغ آئی بصدِ قہر و عتاب
کاسۂ فرق وہ دو ہو گیا مانندِ حباب
دیکھ ساقی وہ ہوئی خون جو دھانی تھی شراب
تو یہ کہتا ہے کہ پتلی کا اثر پڑتا ہے
میں سمجھتا ہوں کہ دریا میں بھنور پڑتا ہے

(۱۲۶)

تیری گھبرائی ہوئی چال کی اللہ رے ستم
مئے کے گر جانے کا بالائے زمیں پوچھ نہ غم
دل اُلجھنے لگا بے حد ترے گیسو کی قسم
نزع میں سنتا ہوں رگ رگ سے یوں ہی کھنچتا ہے دم
کیا بتاؤں مرا دل بزم میں کیونکر ٹوٹا
ہچکیاں آنے لگیں گر کے جو ساغر ٹوٹا

(۱۲۷)

خوف کھائے ہوئے تقریر سے ناچار ہوا
وہ بیاں رہ گیا لکنت سے جو بیکار ہوا
کچھ ہوئی عفو گنہ کچھ میں سزاوار ہوا
بے خطا شانہ کش زلف گنگار ہوا
آ چلی تھی مری تقریر سلجھ کر ساقی
ہاتھ بندھوا دیئے گیسو نے اُلجھ کر ساقی

(۱۲۸)

لے کے ساغر تپش مہر میں کس دل سے پئے
جام جلتے ہوئے خالی مگر آنکھوں نے کئے
عکس گرتے ہوئے قطروں کے یہاں تک تولئے
زخم اُڑتی ہوئی چنگاریوں نے ڈال دیئے
دیکھ وہ کی نگاہ جام نے چشمک ساقی
پتلیاں ہو گئیں محفل میں مشبک ساقی

(۱۲۹)

جو مزا موت میں ساقی ہے وہ جینے میں نہیں
جوش آنسو میں ہے، شیشے کے پسینے میں نہیں
دل مرا حسن کی تاثیر سے سینے میں نہیں
لطفِ نظارہ ہے جو، مئے کے وہ پینے میں نہیں
ریشک اُنہیں بھی ہے جو ہیں اچھے مقدر والے
بے پئے مست ہوئے ساقی کوثر والے

(۱۳۰)

تجھ کو جو بات نہ کرنی ہو وہ منظور نہ کر
قلب اُکھڑی ہوئی تقریر سے رنجور نہ کر
داغ دل کو صفتِ شمع سر طور نہ کر
ساقیا! تذکرہ گرمی عاشور نہ کر
دل کو تڑپایا ہے شعلہ نے تپاں بن بن کے
مئے اُڑی جاتی ہے ساغر سے دھواں بن بن کے

(۱۳۱)

شاہ کے بھائی کی مشہور ہے عالم میں وفا
دھوپ گو لاکھ ہو مانیں گے نہ ہرگز کہنا
خشک لب ہائے حسین ابن علی کا صدقہ
جامِ مئے لے کے ارے جوشِ محبت میں نہ جا
دل وہ دل ہے جو دمِ تشنہ دہانی نہ پئے
کیا وہ مئے لے گا جو پایا ہوا پانی نہ پئے

(۱۳۳)

جوش اگر بحر پہ ہے دل میں وفا کا ساقی
یہ نتیجہ نہ لڑائی کا سمجھنا ساقی
ہے جو پیاسا تو چلا ہے سوئے دریا ساقی
اپنے پینے کی تمنا نہیں حاشا ساقی
آرزو بحر کی ہے خشک زبانوں کے لئے
تیغ چلتی ہے کبھی تشنہ دہانوں کے لئے

(۱۳۴)

جوشِ طبع سے پیدا ہے یم غم کا خروش
جنہیں باتوں کی ہے عادت نہیں رہتے وہ خموش
ذکر پر ذکر سے مئے کے یہ بڑھا قلب کا جوش
بر ہے یا بحر ہے ساقی مجھے اتنا نہیں ہوش
طرفِ میکدہ جس وقت ہوا آتی ہے
کہیں تلوار کے چلنے کی صدا آتی ہے

(۱۳۵)

نشہ سے دیکھ کے بے خود مجھے ساقی نے کہا
دیکھ وہ رہ گیا ہے چار قدم پر دریا
وہ اسد نے کیا بڑھ کر لبِ ساحل حملہ
تیغ وہ سن سے چلی، جانبِ افواجِ جفا
روح پہلو سے جو نکلی تو بہت دل تڑپا
اُس طرف موج، ادھر خاک پہ بسمل تڑپا

(۱۳۵)

کھا کے کہتا ہوں کسی برہمی دل کی قسم
نہ یقین ہو تو نظر بحر پہ کر لے کوئی دم
منتشر ہو چلا ہے مجمعِ اربابِ ستم
وہ ہواؤں سے لچکتا ہوا جاتا ہے علم
صر صر آ کر سرِ رایت سے جو ٹکراتی ہے
بھاگو بھاگو کی پھریرے سے صدا آتی ہے

(۱۳۶)

اب کہاں تاب تھی اتنی کہ جو کرتا میں قیام
مسکراتا ہوا جھپٹا طرفِ لشکرِ شام
یہ سنے غیظ بھرے نہر پہ غازی کے کلام
نظر آتا نہیں اس جنگ کا اچھا انجام
تم یہ کہتے ہو کسی طرح نہ ساحل دیں گے
ہم کو یہ ضد ہے کہ دریا کی ترائی لیں گے

(۱۳۷)

ہے فرات اپنی ہمیشہ سے، کرو غور ذرا
یاد تو ہوگی ابھی رزمِ شہِ کرب و بلا
اہلِ صفین سے پوچھو کہ ہے دریا کس کا
سن لو دو بھائیوں پر بٹ گیا مہرِ زہرا
اس زمیں پر ہو لحد یہ مری تقدیر میں ہے
کچھ مری ملک میں کچھ حصہ شبیر میں ہے

(۱۳۸)

لاکھ پھیلی ہوئی ظلمت ہو نہاں ہوگا نہ نور
کاٹ دوں گا سپروں کی ہیں جو راتیں مشہور
میری تلوار کا شعلہ ہے چراغِ سرِ طور
جو نکل جائے گا منہ سے وہ کروں گا میں ضرور
غضب آ جائے گا ابرو پہ نہ بل آنے دو
دیکھو بابا کے علم کی نہ قسم کھانے دو

(۱۳۹)

کسی غازی کو نہیں ٹوکنا اچھا دمِ جنگ
دیکھی ہوگی نہ کبھی زورِ جوانی کی امنگ
خیر وہ دیکھو بزرگوں نے جو سکھائے ہیں ڈھنگ
تم کو خیبر کی لڑائی کا دکھاتے چلیں رنگ
موت کی طرح سے دشمن صفِ جنگاہ کا ہوں
اور کوئی نہیں بیٹا اسد اللہ کا ہوں

(۱۴۰)

زور کفار کا کس جنگ میں حیدر سے چلا
کہیں شیروں نے بھی منہ موڑا ہے لڑنے میں بھلا
شہرتِ اسلام کو دی تیغ پہ رکھ رکھ کے گلا
شہ کو میں چھوڑ دوں گو ہوں اُسی گودی کا پلا
فوجیں اُلٹوں گا کئی روز کے پیاسے کے لئے
باپ نانا کے لئے تھے میں نواسے کے لئے

(۱۴۱)

مجھ کو جو شہ سے محبت ہے وہ ہے گل پہ جلی
بارہا خاکِ قدم چہرے پہ لے لے کے ملی
جگر و قلب ہیں قربانِ ولی ابنِ ولی
ہوں میں ہی قوتِ بازے حسین ابنِ علی
آئے وہ سامنے جو مرگ پہ دلدادہ ہے
اُس کا خادم ہوں جو جبریل کا شہزادہ ہے

(۱۴۲)

تم کو اس منہ پہ جواں مردیوں کا ہے دعوا
کیسی غیرت ہے کہ آتی نہیں اس پر بھی حیا
کوئی سیراب کئی دن کا کوئی ہو پیاسا
کیوں، یوں ہی کرتے ہیں کیا اپنے مقابل سے وغا؟
مکرِ موروثی افواج سے ہشیار ہوں میں
تشنہ لب ہے جو سپہ اس کا علمدار ہوں میں

(۱۴۳)

خوگر رحم نہیں وہ ہے جنہیں قدرِ عتاب
ہائے کیا جانوں کہ کیا ہوتی ہے نایابی آب
آج بند آب کرو، ہوئے گا کل تم پہ عذاب
پانی دینا کسی پیاسے کو یہ ہے کارِ ثواب
یہ صلے دوست کے ہیں اور وہ صلے دشمن کے
آبرو پائی سکینہ کا بہشتی بن کے

(۱۴۴)

کہہ کے یہ نشہِ جرات سے ہوا دل مدہوش
خونِ موروثی جرّار کو یوں آ گیا جوش
آئے بل کھا کے کئی مرتبہ گیسو سرِ دوش
دفعاً فوج میں پیدا ہوا یہ ڈر کے خروش
وہ وفا میں اثرِ چشمِ فسوں گر بدلے
وہ علیٰ آ گئے، وہ شیر کے تیور بدلے

(۱۴۵)

بڑھا اُس سمت دل و جان شہِ قلعه شکن
ادھر اُف کہہ کے کھڑے ہو گئے سلطانِ زمن
گوشِ زینب تک ادھر آئے جو فوجوں کے سخن
ڈیوڑھی تک صحن سے کہتی ہوئی آئی یہ بہن
حالِ ابتر یوں ہی رن میں صفِ گمراہ کا تھا
میں فدا ہوں یہی غصہ اسد اللہ کا تھا

(۱۴۶)

ہے اسی غیظ بھرے رخ کی تمنا مجھ کو
چاہتی ہوں کہ دکھائی دے سراپا مجھ کو
نظرِ بد کے خیال آتے ہیں کیا کیا مجھ کو
آج اس غیظ سے یاد آ گئے بابا مجھ کو
تم سے دردِ جگر و دل کی دوائیں لے لوں
منہ ادھر کر لوں تو چہرے کی بلائیں لے لوں

(۱۴۷)

ہاں مرے شیر، یہی ہاتھ، یوں ہی وار پہ وار
کوفہ کیا دور ہے فوجوں کو نہ لینے دو قرار
بیٹھنے پائے نہ اڑتا ہوا دریا کا غبار
یہی کوشش ہے تو سادات کا بیڑا ہوا پار
ہے بہت قربِ وطن دشت کے عازم کے لئے
گھر پہ ہم بعدِ ظفر روئیں گے قاسم کے لئے

(۱۴۸)

فتح گر ہو تو غمِ عون و محمد بھی نہیں
ہجرِ انصار میں بھی ہوگا نہ یوں قلبِ حزیں
ہدیئے مقبول ہوئے بچ گئے شاہنشاہ دیں
جو ہوا خیر ہوا چادریں تو سر پہ رہیں
حد کی مایوسیوں میں پاس تمنا رکھا
اُس کے قربان ہوں جس نے مرا پردا رکھا

(۱۴۹)

نام قاسم کا دمِ جنگ جو غازی نے سنا
پھر گیا آنکھ میں اک شب کے بنے کا نقشہ
یوں کھنچا قلب کہ رخ ہو گیا سوئے صحرا
منہ سے بے ساختہ آواز دی، بیٹا بیٹا
اُس کو سنتے ہو جو آوارہ وطن کہتی ہے
چلو گھر چلنے کو ناشاد بہن کہتی ہے

(۱۵۰)

دور ہو گھر سے بہت قلب یہ غم سہتا ہے
ہول بڑھ جاتا ہے یوں آبِ رواں بہتا ہے
کیسی شب، دن ہی کوتا یک یہ بن رہتا ہے
ہائے کیونکر وہ کہوں جو مرا دل کہتا ہے
اپنے کمسن کے قریں قبر ہو گر مر جائیں
حد کا ویراں ہے یہ بن چھوڑ کے کیونکر جائیں

(۱۵۱)

ہائے یہ رن کی تپش اور یہ بچپن کی قضا
خیر اب ہے تو یہ ہے دل کے تڑپنے کی دوا
اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں اے بیٹا
دیکھو دیکھو میں لئے لیتا ہوں خوں کا بدلا
فوج پر بابِ اماں بند کئے آتا ہوں
کاٹ کر فرقِ بنِ سعد لیے آتا ہوں

(۱۵۲)

اک جہاں تیغ کی جھنکار سے میداں میں مرے
کان پر صورِ سرافیل بھی ہاتھوں کو دھرے
دیکھوں میں، خواہر شہِ قلب سے آہوں کو بھرے
کہہ کے یہ باگ کو تھاما ہے، خدا خیر کرے
گھر کے لٹنے کا ہے ڈرنیموں کی بربادی سے
اے مقدر، نہ نجل کیجیو شہزادی سے

(۱۵۳)

غیظ پہ پا کے پکار اٹھے شہِ عرش حشم
لڑتے لڑتے ہوئی کاہے کو طبیعتِ برہم
آج کیا وہ بھی نہ مانو گے جو خواہش کریں ہم
بھائی بابا کے علم کی کہیں کھانا نہ قسم
نیشِ غم رنج نہ دے قلب میں گڑتے گڑتے
تھک گئے ہو گے بڑی دیر سے لڑتے لڑتے

(۱۵۴)

گو دلیری میں نہیں کوئی تمہارا ثانی
غیظ اچھا نہیں اے شیرِ خدا کے جانی
سب وہ سن لو جو کہیں منہ سے ستم کے بانی
نہر کا سوکھی ہوئی مشک میں بھر لو پانی
جو فلک دے اُسے ہنگامِ جدائی لے لو
اتنا کافی ہے جو دریا کی ترائی لے لو

(۱۵۵)

عاجزوں پر کوئی کرتا ہے زمانے میں ستم
میں فدا ہوں یہ نہیں شیوہِ اربابِ کرم
سپہِ ظلم سے ہونا نہ زیادہ برہم
اپنے سر کی تجھے دیتا ہے یہ ناشاد قسم
کب تک آج دکھاؤ گے شجاعتِ بھائی
اُس پہ یہ غیظ جو نانا کی ہے امتِ بھائی

(۱۵۶)

کانپ اٹھا سنتے ہی حکمِ شہِ دیں قلبِ حزیں
آئینہ بن گئی یوں صاف ہوئی چینِ جبین
عرض کی خیر لئے لیتا ہوں دریا کی زمیں
فوج سے نہر ملے ختم یہ قصہ ہو کہیں
طرفِ بحر دوبارا رُخِ شہدیز کیا
چپ بہن ہو گئی، بھائی نے فرس تیز کیا

(۱۵۷)

اثر اتنا مگر امید نے پانی کی دیا
پلٹیں ہنستی ہوئی دروازہ سے بنتِ زہرا
بھائی کے آنے کا بھی دل نے نہ دیکھا رستا
غش سے چونکا کے سکینہ کو یہ زینب نے کہا
فتح کا کچھ نظر آتا ہے قرینہ بی بی
پانی لاتے ہیں چچا نہر سے پینا بی بی

(۱۵۸)

اس طرف آس تھی پانی کی ادھر پھر وہی جنگ
کشتیِ فوج تھی آبِ دمِ شمشیر سے تنگ
سر کے بل گر رہے تھے بحرِ فنا میں سرہنگ
بڑھتی ہی جاتی تھی پانی کے تھپڑوں کی اُمنگ
اپنے ہی پاؤں کی لغزش سے دل آزار گرے
غرق ہونے سے اگر ایک بچا چار گرے

(۱۵۹)

لڑ رہا تھا جو دم غیظ و غضب بازوئے شاہ
روح پاتی تھی اجل کے نہ شکنجے سے پناہ
ڈوب کرخوں میں جو پھیلی تھی سپاہی کی نگاہ
لال بادل میں چھپی جاتی تھی دریا کے سپاہ
تھیں بلاؤں پہ بلائیں یہ جفاکاروں پر
بجلیاں گرتی تھیں نظروں کی ستمگاروں پر

(۱۶۰)

تھام جنگ کچھ اس طرح سے فوجوں کا جماؤ
لوگ پس جاتے تھے پڑتا تھا جو لشکر کا دباؤ
لپ دریا تھا یہ تلوار کے پانی کا بہاؤ
اک تلاطم تھا کہ وہ ڈوب چلی فوج کی ناؤ
پاؤں تک سر سے دم جنگ پسینہ پہنچا
خوں سے بہتا ہوا پانی میں سفینہ پہنچا

(۱۶۱)

جو گرا بحر میں، لیتا گیا ساتھ اپنی قضا
کفنِ آبِ رواں منہ کے چھپانے کو ملا
ڈوبنے والوں کو گرداب نے بے حد ڈھونڈھا
فوجِ اعدا کا نہ دریا پہ ملا تھل بیڑا
کون یہ جذب ہوا بحر میں آنسو کی طرح
جال پھیلا ہوا پانی کا ہے گیسو کی طرح

(۱۶۲)

پانی رک جاتا تھا آ آ کے گلے میں جس دم
بند ہو جاتی تھیں قرنا کی صدا میں پیہم
طبل کے ختم نہ سکے موج کے جادے پہ قدم
جتنا دریا پہ رہے اتنا بڑھا نفع شکم
جتنے ترغیب کے آئیں تھے انہیں بھول گیا
پانی پی پی کے ہر اک طبلِ وغا پھول گیا

(۱۶۳)

قابل دید نہ کیوں فوج کے ہوں نظارے
بگڑے ہی جاتے ہیں اسباب وغا کے سارے
منہ پہ کہہ لیتے ہیں جو چاہتے ہیں تقارے
رُخ پہ اڑ اڑ کے پھریروں نے طمانچے مارے
رن میں قرنا بھی خفا فوج سے رہتی کچھ ہے
یہ صدا دیتی ہیں کچھ اور وہ کہتی کچھ ہے

(۱۶۴)

افسران سپہ ظلم پہ تھے اور ستم
کہنیاں ٹوٹ رہی تھیں، تھا علمداروں پہ غم
گھٹنے بڑھتے پہ نہ تھے اپنے ہی قابو میں قدم
جھونکے دیتی تھیں ہوائیں جو سنبھلتے تھے علم
تیچ پر تیچ جو صرصر کے نئے پڑتے تھے
ایک سے بھاگتے تھے اک سے کھڑے لڑتے تھے

(۱۶۵)

غرق دریا سے نہ ہو کر جو جفا جو نکلے
زخم کی آنکھ کھلی خون کے آنسو نکلے
جاں بچانے کے نئی طرح سے پہلو نکلے
مرتے دم جن پہ بھروسا تھا وہ بدخو نکلے
لے کے جاں بحر میں نصرت کے ارادے ڈوبے
سر پہ بٹھلا کے سواروں کو پیادے ڈوبے

(۱۶۶)

تھے جنہیں وقتِ وغا جان کے لالے بھاگے
افسر فوج لئے ہاتھ میں بھالے بھاگے
تیغ کے سامنے سے برچھیوں والے بھاگے
منتشر ہو کے چپ و راست رسالے بھاگے
یوں لڑا کون اسد اللہ کے جانی کی طرح
راستہ کاٹ دیا فوج نے پانی کی طرح

(۱۶۷)

کیوں نہ دل پہلے جو دکھلائے تماشا پانی
خاک چھانی ہے کہ مل جائے مصفا پانی
تشنہ لب پیاس سے بیمار مسجا پانی
فوج میدان سے بھاگی نظر آیا پانی
درِ حسرت تپشِ قلب نے انمول دیا
ٹھنڈی پائی جو ہوا مشک نے منہ کھول دیا

(۱۶۸)

سامنے جب نہ کوئی ظلم کا بانی دیکھا
زیں پہ انگڑائیاں لیں لطف جوانی دیکھا
سبزہ کچھ سرخ تو کچھ نہر پہ دھانی دیکھا
ہٹ گئی فوج تو بہتا ہوا پانی دیکھا
اڑ کے دم ساحلِ مقصود پہ تازی نے لیا
بڑھ کے دریا وہ کئی لاکھ سے غازی نے لیا

(۱۶۹)

کھوتا تھا جوش سے انسان کا زہرا پانی
جہاں پڑتے تھے بھنور تھا وہاں گہرا پانی
لے کے عکس رخ رنگیں کو جو ٹھہرا پانی
مچھلیاں سرخ تھیں دریا کی سنہرا پانی
چادرِ آبِ ضیاؤں سے کہاں میلی تھی
دور تک عکس سے پانی پہ شفق پھیلی تھی

(۱۷۰)

شہرے کیوں ہوں نہ وفا میں خلفِ حیدر کے
موج جو آئی، گئی قلب کو مضطر کر کے
یاد دل نے جو لب خشک کئے سروڑ کے
آہ کی آپ نے مشکیزہ میں پانی بھر کے
دل کے ارماں نہ ذرا سرد ہوا سے نکلے
دوش پر مشک لئے نہر سے پیاسے نکلے

(۱۷۱)

تھے لب خشک وہی اور وہی تشنہ لبی
آیا ساحل پہ جو بازوئے دل و جان نبی
فوج آمادہ نظر آئی پئے بے ادبی
کی خدنگوں نے قریب آ کے مبارز طلبی
موت کو وقتِ وفا لے کے دل آزار کھنچی
پھر اُسی غیظ، اُسی جوش سے تلوار کھنچی

(۱۷۲)

رن میں دو چار قدم بڑھ کے پکارے اکبر
اے چچا! ہے یہ تمنائے شہ جن و بشر
منتشر وقتِ وفا ہونے نہ پائے لشکر
فوج کو صبر کے دکھلائے تھم کر جوہر
خوش جو معبود کو آ جائے وہ کام اچھا ہے
قبر کے واسطے دریا کا مقام اچھا ہے

(۱۷۳)

تابشِ مہر کی ظاہر ہے جو ہے کیفیت
دھوپ سے سرخ نہ ہو چاندی رن میں صورت
تپشِ قلب کی بابا پہ عیاں ہے حالت
شہ نے تجویز کیا ہے یہ مقامِ تربت
نہر ہو بازوئے سلطانِ مدینہ کے لئے
سرد جا چاہئے سقائے سکینہ کے لئے

(۱۷۴)

تھا بشارت جو لئے قولِ شہِ عرش وقار
منکشفِ قلبِ مجاہد پہ ہوئے یہ اسرار
اب کہاں پاتا ہے دل شوقِ شہادت سے قرار
رن میں تھم تھم کے جری فوج پہ کرنے لگا وار
ہاتھ ڈھیلا یہ سرِ فوج ستم آتا رہا
جس سے امیدِ ظفر تھی وہ غضب جاتا رہا

(۱۷۵)

حال یہ دیکھا جو غازی کا سپہ نے دمِ جنگ
حملہ کرتے ہوئے نزدیک بڑھ آئے سرہنگ
صبرِ ادھر بڑھنے لگا رن میں ادھر دل کی اُمنگ
سرخ ہونے لگا ہر تیغِ جفاکار کا رنگ
سوزشِ دل سے نفسِ بارِ گراں ہونے لگا
زخمِ پڑنے لگے خوں تن سے رواں ہونے لگا

(۱۷۶)

اک جگہ تھم گیا تھا ابنِ شہِ بدر و حنین
دل سے کہتا تھا سنے جائیں گے راندوں کے نہ بین
دور گھوڑے سے گروں گا تو رہوں گا بے چین
نہر تک لا نہ سکیں گے مری میت کو حسینؑ
زندہ جب تک رہوں، زہراً کی کمائی نہ چھٹے
یہ تمنا ہے کہ دریا کی ترائی نہ چھٹے

(۱۷۷)

اک جگہ رک جو گیا اسپِ سبک گام و عنان
مستعدِ قتل پہ غازی کے ہوئی فوجِ گراں
تیر چلوں سے کمانوں کے ہوئے رن میں رواں
اتنے حربے ہیں اور اک ہے دلِ بیتاب و تواں
تن کو ایذا نہیں ہر اک عربدہ جو دینے لگا
جسم پر زخمِ پڑا جو وہ لہو دینے لگا

(۱۷۸)

خود بھی کچھ رن میں کئے جاتے ہیں دو چار پہ وار
ایک کی کھائی ہے تیغِ ایک کا سینہ ہے فگار
متفرق ہوئے پیدل تو بڑھ آئے اسوار
قلب گر بچ گیا نیزہ سے تو کھائی تلوار
سر جھکائے ہوئے ہے زیں پہ نمازی رن میں
بڑھتے ہی جاتے ہیں زخمِ تنِ غازی رن میں

(۱۷۹)

تیغ پر تیغ لگاتا ہے ادھر لشکرِ کیں
کس سے کس سے بچے بازوئے شہِ عرشِ نشیں
پڑ کے تلوار اُتر آئی جو تا حدِ جبین
ڈگمگانے لگا لختِ دلِ حیدرِ سرِ زیں
فرق سے تابہ قدم خوں میں نہائے ہوئے ہے
ضعفِ غازی کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہے

(۱۸۰)

ناتواں گو ہیں پہ اس پر بھی نہ ہمت ہاریں
حکمِ شہِ ہو تو ابھی بڑھ کے سپہ کو ماریں
کئی اک دفعہ چھٹیں تن سے لہو کی دھاریں
مشک پر تیر تو شانوں پہ پڑیں تلواریں
زخم کے ایسے اثرِ قلبِ حزیں پر آئے
زینِ رہوار سے تیور کے زیں پر آئے

(۱۸۱)

دفعاً آنے لگی فتح کے باجوں کی صدا
بھائی کی لاش پہ جلد آئیے اے شاہِ ہدا
ٹکڑے ٹکڑے تنِ غازی کے کئے ہیں اعضا
آپ کے شیر کو آئی ہے ترائی میں قضا
ضعف میں اُٹھ نہ سکے درد کے صدمے دل سے
ہوش آئے گا بھی رن میں تو بڑی مشکل سے

(۱۸۲)

بھائی کے مرنے کی پائی جو شہِ دیں نے خبر
دل کو پہلو میں تپاں کرنے لگا دردِ جگر
اُٹھے گھبرا کے تو سیدھی نہ ہوئی شہ کی کمر
دی یہ آواز پدر نے کہ کدھر ہو اکبرؑ
تشنہ لبِ قتل ہوئے نہر پہ عمّو بیٹا
لاش پر لیتے چلو تھام کے بازو بیٹا

(۱۸۳)

ہاتھ اکبر نے جو تھامے تو چلے سروں دیں
نالے وہ درد میں ڈوبے تھے کہ ہلتی تھی زمیں
دم بدم کہتے یہ جاتے تھے بہ آوازِ حزیں
زیں سے گرتے ہوئے بھائی کو پکارے بھی نہیں
غش کئی بار سنا وقتِ جدال آیا تھا
دل میں کیا بھائی کی زحمت کا خیال آیا تھا

(۱۸۴)

کس نے پائے ہیں سعید ایسے جہاں میں بھائی
اُتنی کی بات جہاں تک مری مرضی پائی
دی اماں فوج کو ضربت نہ مگر دکھائی
ہائے تلوار پہ تلوار وغا میں کھائی
فوج نے جسم کے ٹکڑے کئے بیدردی سے
جان دے دی مرے غازی نے جو انمردی سے

(۱۸۵)

ہائے کیا کیفیتِ سروں والا ہو بیاں
قلب وہ بھی کہیں سنبھلا ہے جو ہو جائے تپاں
ہاتھ پکڑے ہوئے گو ساتھ تھا فرزندِ جواں
دل مگر تھام کے گر پڑتے تھے سلطانِ زماں
حد کے بیکس تھے نہ کیوں آہ میں تاثیر آئے
لاش تک ٹھوکریں کھاتے ہوئے شبیر آئے

(۱۸۶)

شبہ نے میت کو کلیجے سے لگا کر یہ کہا
لاش پر آئے ہیں ہم آنکھ تو کھولو بھیا
زخم میں جلتی ہوئی ریگ سے ہوگی ایذا
تم کہو گر تو بچھا دوں میں تہہ جسمِ ردا
ہوش اگر ہو تو خیالِ دلِ مضطر رکھو
زخم کا وقت ہے زانو پہ مرے سر رکھو

(۱۸۷)

دشت میں ہو گئے مجروح سراپا بھائی
چور تیغوں نے کیا ہے تمہیں ایسا بھائی
قلب کر سکتا ہے اندازہ بھلا کیا بھائی
کون عالم میں بتا سکتا ہے ایذا بھائی
کروٹیں لوگے تو تکلیف کے ساماں ہوں گے
جس قدر زخم ہیں درد اتنے مری جاں ہوں گے

(۱۸۸)

بحر تک لے کے گئی کوششِ قلبِ بیتاب
کیا کرو تم کہ مقدر میں نہ تھا قطرہ آب
بخت پردیس میں تھا تشنہ دہانوں کا خراب
کیا سبب ہے کہ جو دیتے نہیں باتوں کا جواب
چین لیتے ہی نہیں رنج کے کھانے والے
دیر سے تم کو جگاتے ہیں جگانے والے

(۱۸۹)

گوشِ جرّار تک آئی جو شبہ دیں کی صدا
چونک اٹھا غش سے دل و جانِ امامِ دوسرا
بہت آہستہ دمِ نزع یہ غازی نے کہا
بند آنکھیں ہیں مری اے خلفِ شبیرِ خدا
مجھ کو اچھی نظر آتی نہیں حالتِ مولّا
ہو نہ جاؤں کہیں محرومِ زیارتِ مولّا

(۱۹۰)

آرزو ہے کہ لہو آنکھ کا پوچھیں شبہ دیں
تا نکل جائے تمنائے دلِ زار و حزیں
لائے یہ سنتے ہی رومال کو چہرے کے قرین
پاک کرنے لگے خوں رخ کا، شبہ عرشِ نشین
کھول کر آنکھ سوئے سپہِ والا دیکھا
مسکرانے لگے جب بھائی کا چہرا دیکھا

(۱۹۵)

خیر بہتر ہے سدھارو طرفِ خلد بریں
ہم بھی کچھ دیر میں کٹوا کے سر آتے ہیں وہیں
کہہ کے یہ لاش سے اٹھ بیٹھے شہ عرش نشیں
آخری دی یہ صدا رو کے بہ آوازِ حزیں
ہے بہت دور ابھی منزل سے مسافر بھائی
دن بہت کم ہے خدا حافظ و ناصر بھائی

(۱۹۶)

کہہ کے یہ لاش سے خیمہ کو چلے شاہِ ام
مشک کے ساتھ اٹھایا علی اکبر نے علم
گھر میں لے آئے نشاں آپ جو بادیدہ نم
بی بیاں کرنے لگیں بازوئے شہ کا ماتم
درد بیتابیوں سے ہر دل مضطر میں ہوا
ایک کہرام پنا خیمہ سروڑ میں ہوا

(۱۹۷)

بین یہ زوجہ عباس کے تھے زیرِ علم
تم کہاں ہو کہ اکیلے ہیں شہنشاہِ ام
چاہتے ہو جسے اُس سر کی میں دیتی ہوں قسم
منتظر ہے کسی ناشاد کا اُکھڑا ہوا دم
پھر نہ روکوں گی تمہیں دہر سے جانے کے لئے
چلے آؤ مری میت کے اٹھانے کے لئے

(۱۹۸)

میرے گیسو کے بکھرنے پہ نظر ہے کہ نہیں
دمِ فریاد مرے لب پہ جگر ہے کہ نہیں
میرے سر پیٹنے کا دل پہ اثر ہے کہ نہیں
کچھ تمہیں اپنے یتیموں کی خبر ہے کہ نہیں
اضطراب ایسا ہے فرقت سے دل افگاروں پر
خاک ملتے ہیں بڑی دیر سے رخساروں پر

(۱۹۱)

جوڑ کر دستِ ادب کرنے لگے شہ سے بیاں
تابہ لب آچکی ہے کھینچ کے مرے قلب سے جاں
ہوں میں دو چار نفس اور جہاں میں مہماں
گھر میں لے جائیے گا بعد مرے مشک و نشاں
وہ نہیں چاہتا جو بار نہ بھائی سے اٹھے
اک مری لاش نہ دریا کی ترائی سے اٹھے

(۱۹۲)

کہہ کے یہ شہ سے بھتیجی کو کیا پاس طلب
گوشِ اکبر کے قریں کچھ متحرک ہوئے لب
اس طرف رونے لگا لختِ دلِ شاہِ عرب
اُس طرف ہچکیوں سے بڑھنے لگا دل کا تعب
رن میں کس حسن سے آرام ملا، غم نکلا
پاؤں پھیلا دیئے، انگڑائیاں لیں، دم نکلا

(۱۹۳)

رو کے بیٹے سے یہ فرمانے لگے شاہِ ام
تم سے بھائی نے کہا کیا تھا بچشمِ پر نم
عرض اکبر نے یہ کی شہ سے بصد رنج و الم
یہ بیاں مجھ سے چچا نے کیا کھلوا کے قسم
فکر راندوں کی مری سینہ زنی میں رکھنا
دھیان بھائی کا غریب الوطنی میں رکھنا

(۱۹۴)

اپنے بیٹے سے سفارش جو سنی رو دیئے شاہ
لاش سینے سے لگا کر کہا اِنَّا لِلّٰہ
اپنی کچھ فکر نہ کی، دھیان مرا ہی رہا آہ
جس کی موت آئی ہو کس طرح سے پائے وہ پناہ
شام تک مجھ سا مسافر سفری ہے بھائی
روح سینے میں چراغِ سحری بھائی

(۱۹۹)

بے سبب کس لئے غم ہجر کا کھاتے جاؤ
خوں میں ڈوبی ہوئی صورت کو دکھاتے جاؤ
اپنے بچوں کو کیلجے سے لگاتے جاؤ
میں فدا ہوں مجھے اتنا تو بتاتے جاؤ
کون سی ہوتی ہے تدبیر جو غش آتے ہیں
کہہ کے کیا چھوٹے ہوئے بچوں کو سمجھاتے ہیں

(۲۰۰)

کئے یوں زیرِ علم زوجہ عباسؑ نے بین
تھا ہر اک آنکھ پہ ظاہر اثرِ شیون و شین
نہ جگر ہی کو سکوں تھا نہ کسی قلب کو چین
منہ پہ رومال کو رکھے ہوئے روتے تھے حسینؑ
ہچکیاں آنے لگیں ضعف سے تڑپا نہ گیا
یوں یہ بیہوش ہوئیں شاہ سے دیکھا نہ گیا

(۲۰۱)

اس سے بڑھ کر نہیں ذخیرِ جگر و قلب کو تاب
رو رہی ہے صفت ابر ہر اک چشم پر آب
اتنے بے حصر ہیں آلامِ شہِ عرش جناب
کس میں ہے قدرت و طاقت جو کرے درج کتاب
کیفیتِ شاہ کی تحریر میں کب آتی ہے
لکھتے لکھتے یہ فسانہ اجل آ جاتی ہے



لہ الحمد برآن چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد بہ پس پردہ تقدیر پدید
الحمد لله تحریر این مرثیہ نو تمام شد
بتاریخ ۲۸/بست و ہشتم رجب المرجب ۱۳۳۵ھ روز
یکشنبہ ساعت پنج و دہدقیقہ از عصر، از خط ناقص
الدہر سید فرزند حسین عرف اچہن صاحب ذخر عفی
عنہ بقلم خود۔

نوشته بماند سیہ بر سفید
نویسنده را نیست فردا امید
ہر کہ خواند دعائے طمع دارم
زانکہ من بندہ گنہگارم



قطرہ

شیدائے اہلبیت آنجہانی و شونا تھ پر سادما تھر لکھنوی
ثبات و عزم ہے کیا جاہ اور حشم کیا ہے
جودل کے خون میں شامل ہوا وہ غم کیا ہے
تبرکاتِ پیمبر میں یہ بھی شامل ہے
میں کیا بتاؤں کہ عباسؑ کا علم کیا ہے



Mohd. Alim

Proprietor

Nukkar Printing & Binding Centre

26-Shareef Manzil, J. M. Road,

Husainabad, Lucknow-3

0522-2253371, 09839713371

e-mail: nukkar.printers@gmail.com

التماس ترحیم

مومنین کرام سے گزارش ہے کہ ایک بار سورہ حمد اور تین بار سورہ توحید کی
تلاوت فرما کر جملہ مومنین مرحومین خصوصاً مرزا محمد اکبر ابن مرزا محمد شفیع و
حسن جہاں بنت باقر علی خاں کے ارواح کو ایصال فرمائیں۔

محمد عالم

نکھر پرنٹنگ اینڈ بائڈنگ سینٹر حسین آباد، لکھنؤ

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۵ کا-----)

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُولُوهُمْ الْأَدْبَارَ وَمَنْ يُولُوهُمْ يَوْمَئِذٍ دُبرُهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِتْنَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَاعِدَهُمْ وَيُبْسِ الْمَصِيدُ“
(سورہ انفال پارہ نہم آیت نمبر ۱۶۱۵)

کیا کرم حسین صاحب یہاں اپنا یہ لطیفہ پیش فرما سکتے ہیں کہ دنیا میں یہود و نصاریٰ و مشرکین سب ہی موجود ہیں۔ یہ بچپارے بودے بھاگنے والے جو اصحاب نبیؐ کہے جاتے ہیں اور صحابہ کبار بھی اس میں شامل ہیں انہیں کی جان پر غضب توڑا جاتا ہے۔ اور یہی لوگ جہنمی بتائے جاتے ہیں اور کیا آپ فرما سکتے ہیں کہ جب نبیؐ کے سامنے وہ ایسے تھے تو نبیؐ کے بعد ان کی کیا حالت ہوگی اور کیا ہم کرم حسین صاحب سے اجازت لے کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب سرداروں کی یہ حالت تھی تو پیروان کے کس حال میں ہوں گے، مگر غالباً وہ ہمیں ان باتوں کے کہنے کی اجازت نہ دیں گے۔ دوسرا لطیفہ یہ تھا کہ ”ان کے گناہوں کو امام کی جان عزیز سے کیا تعلق“ یہ کس نے کہا تھا کہ کوئی تعلق ہے۔ حل حدیث کو دیکھو اور سمجھو آپ کے سمجھ کی دنیا ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔

(ماخوذ از ماہنامہ الواعظ، لکھنؤ، ماہ جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۳ تا ۲۷)

(بقیہ صفحہ نمبر ۲۴ کا-----)

ان کے بازوؤں کا ٹوٹنا اور ان کا گرفتار کیا جانا اور پھر شہید ہونا۔ یہ سب نافع کے حالات سے ماخوذ ہے۔ مگر صاحب نسخ کی مورخانہ نگاہ کو ان میں سے کسی امر کی طرف بھی توجہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔
علامہ مامغانی کے قلم سے عجیب طرح کی غلطی ہوئی ہے، انہوں نے نافع بن ہلال کے حال میں پانی لانے کے واقعہ کے تذکرہ میں لکھا ہے^(۱):-

”كان في حملته تلک طعنه من اصحاب عمر بن سعد طعنة ظن هلال انها ليست بشيئ ثم انها انتقضت بعد ذلک فمات منها وروی انه اخذ اسير الى عمر بن سعد فقتل شمرو على التقديرين هو من المستشهدين مع الحسين“

”اسی حملہ میں نافع کو عمر سعد کی فوج کے ایک شخص نے نیزہ لگایا جسے ہلال نے کوئی اہمیت نہیں دی لیکن اسی زخم میں پھر طول ہوا اور ان کا اس سے انتقال ہوا اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو گرفتار کر کے عمر سعد کے پاس لے جایا گیا اور شمر نے ان کو قتل کیا۔ بہر حال وہ امام کی ہمراہی میں شہید ہونے والوں میں سے ہیں۔“

یہ تاریخ کی عبارت سمجھنے میں کوتاہی کا نتیجہ ہے۔ اُس حملہ میں نافع کو عمر سعد کی فوج کے کسی شخص نے نیزہ نہیں لگایا تھا بلکہ نافع نے ایک شخص کو نیزہ لگایا اور وہ اس زخم کو کوئی چیز نہیں سمجھا پھر وہی زخم اس کے لئے سبب ہلاکت ثابت ہوا۔ نافع کو اس موقع پر کوئی زخم نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے بعد جنگ کر کے زخمی ہوئے ہیں اور گرفتار ہوئے ہیں اور پھر شمر کے ہاتھ سے شہید ہوئے ہیں۔



(۱) تنقیح المقال، ج ۳ ص ۲۶۶

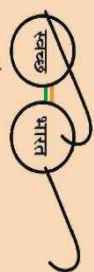
یہودی اپنے کو صہیونی دہشت گردوں سے الگ کر لیں جنگ شروع ہونے کی صورت میں فلسطین چھوڑنے کا موقع تک نہیں ملے گا: سید حسن نصر اللہ

اہل بیت نیوز ایجنسی ابنا کی رپورٹ کے مطابق، حزب اللہ لبنان کے جنرل سیکریٹری جیہ الاسلام سید حسن نصر اللہ نے سابقہ برسوں کی مانند اس سال بھی یوم عاشور پر ویڈیو کانفرنس کے توسط سے عزاداران حسینی سے خطاب کیا اور کہا:

داعش امت مسلمہ کے لئے کھڑا کیا گیا شدید ترین اور سنجیدہ ترین خطرہ ہے۔ دیکھ لیجئے کہ اس نے علاقے کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور کس قدر عالمی سطح پر اسلام اور رسول اسلام کے چہرہ مبارک کو بگاڑ کر دنیا والوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ دیکھ لیجئے اس ٹولے نے امریکہ اور اسرائیل کے منصوبوں کی کس قدر خدمت کی ہے؟ آج میں اعلان کرتا ہوں کہ داعش اور ظلم و فساد کے خاتمے کے لئے جہاں بھی ضرورت پڑے، جنگ کو جاری رکھیں گے۔ مسلمانوں اور خطے کے ممالک اور اقوام و معاشروں کو دیکھ لینا چاہئے کہ داعش بنائی کس نے ہے، کون اس کو مالی اور عسکری امداد فراہم کر رہا ہے؟ ان افراد اور قوتوں کو پہچان لینا چاہئے؛ لاکھوں افراد مارے گئے ہیں، اسلام کا چہرہ بگاڑا جا چکا ہے اور یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی بگڑی ہوئی تصویر دنیا والوں کے سامنے پیش کی گئی ہے، اس مسئلے کے پس پردہ عوامل اور قوتوں کو بے نقاب کرنا چاہئے اور ان کی بازخواست پر اصرار ہونا چاہئے۔ ان جرائم کے پس پردہ قوتوں کے چہرے سے نقاب کھینچ لینا چاہئے۔ میں اسرائیل کو خبردار کرتا ہوں کہ ہم نے محاذ مزاحمت میں ابتداء ہی سے اعلان کیا ہے کہ ہماری اصل جنگ صہیونی غاصبین کے ساتھ ہے ہماری جنگ ایک آسمانی دین کے پیروکار یہودیوں کے خلاف نہیں ہے۔ صہیونی تحریک نے یہودیوں سے غلط فائدہ اٹھایا ہے تاکہ فلسطین میں نوآبادیاں بنانے کے غاصبانہ منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ یہودی خطے کے عرب عوام کے خلاف نئی امریکی جنگ کا ایندھن ہیں۔ جب ہمارے عوام اپنی مٹی اور اپنی ناموس کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں تو یہ جھوٹی تشہیری مہم چلا کر ان پر یہودیت دشمنی کا الزام لگاتے ہیں۔ میں علمائے یہود سے کہتا ہوں کہ جو لوگ تمہیں یہاں لائے ہیں، آخر کار یہ تمہاری نابودی کی کوشش کریں گے۔

(صفحہ نمبر ۳۰ کا بقیہ)

النظر سهم من سهام ابليس مسموم و کم نظرة اورثت حسرة طویلة کہ شیطان کے زہریلے تیروں میں سے نظر ایک تیر ہے۔ یہ نظر بسا اوقات بڑی حسرت و ندامت کا سبب بنتی ہے۔ اجنبی مرد یا عورت کی آواز سے کان کا لذت یاب ہونا کان کی زنا ہے۔ اس سے گفتگو کا موقع نکال کر سلسلہ کلام کو طولانی کرنے کی کوشش کرنا اور زبان کا لوچ کھانا زبان کی زنا ہے۔ اس کے جسم کے کسی ظاہری حصے سے اپنے جسم کے کسی حصے کو مس کر کے لطف اندوز ہونا ایک مقدمہ زنا ہے۔ اس کے کوچے کی خاک چھاننے کے لئے قدموں کا بار بار اٹھنا یہ سب شریعت میں زنا کہی گئی ہیں حدیث میں ہے۔ (العینان تزنیان وزناهما النظر والیدان تزنیان وزناهما البطش والرجلان تزنیان وزناهما المشی وزنا اللسان النطق وزنا النفس التمنی والاشیاء والفرج یصدق ذلک کلہ او یکذبہ۔) یعنی دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کی زنا نظر تلذذ ہے۔ اسی طرح دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کی زنا دست اندازی اور دست درازی ہے۔ دونوں پیر زنا کرتے ہیں اور ان کی زنا در محبوب کی طرف جانا ہے اور زبان کی زنا گفتگو و ہم کلام ہونا ہے اور نفس کی زنا تمنا و آرزو ہے۔ پھر اصلی زنا چاہے وجود میں آکر ان مقدمات کی تکمیل کر دے یا مقدمات ہی پر معاملہ آکر رک جائے۔



ایک قدم چھٹا کی جانب



سب کا ساتھ - سب کا وکاس

”جو تبدیلی آپ دنیا میں دیکھنا
چاہتے ہیں۔ وہ پہلے خود میں لائیں۔“
- مہاتما گاندھی

سچائی اور عدم تشدد کا راستہ دکھانے والے
مہاتما گاندھی جی کی جینتی (2 اکتوبر)
پر شت - شت نمن

یوگی ادتیہ ناتھ
وزیر اعلیٰ، اتر پردیش

محکمہ اطلاعات و رابطہ عامہ، اتر پردیش